هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ

ماہنامہ

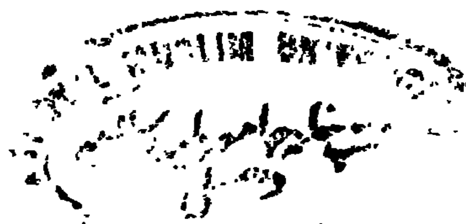
ریویو آف ریلیجنز
(اردو)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۵ | ماہ محرم صفر ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ دسمبر جنوری فروری سنہ ۱۹۴۶ء | عدد ۱۲، ۱، ۲

فہرست مضامین



ڈاکٹر برق صاحب ایم۔اے پی ایچ ڈی کے اعتراضات کے جواب

(از جناب مولوی عطاء محمد صاحب)

ہمارے سامنے نام نہاد اہلحدیث امرتسر کا ماہوار رسالہ البیان بابت ماہ ستمبر ۱۹۴۶ء ہے جس میں ایک صاحب ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی کا ایک مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق شائع ہوا ہے۔ اگر برق صاحب حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کی کتب کا مطالعہ کرکے دیانتداری سے جو اعتراضات ان کتابوں کے مضامین یا تحریرات پر ان کو پیش آتے انہیں نیک نیتی سے پیش کرتے تو ہمیں اس پر نہ صرف یہ کہ کوئی گلہ نہ ہوتا بلکہ گونہ خوشی ہوتی، اور ہم برق صاحب کی اس محنت کشی کے ممنون ہوتے۔ مگر کس قدر رنج و اندوہ کا مقام ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے بجائے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں کا خود مطالعہ کرنے کے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ایسے ناکام اور نامراد دشمن کی معاندانہ تحریرات کو سامنے رکھکر ہی لوگوں کو احمدیت اور بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متنفر کرنیکی کوشش کی ہے۔ اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے آپ نے بڑی بے باکی کے ساتھ غلط بیانی اور تلبیس سے کام لیا ہے۔ جو نہایت ہی قابلِ افسوس امر ہے۔ البیان کے ایڈیٹر صاحب نے اس مضمون کو رسالہ میں درج کرتے ہوئے جس غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے وہ اور بھی زیادہ افسوس کے قابل ہے۔ ہم انہیں نیک نیتی سے مشورہ دیتے ہیں کہ بلا تحقیق مضامین درج کرنے سے پرہیز کیا کریں۔ اس مختصر تمہید کے بعد ہم برق صاحب کے اعتراضات کا ایک ایک کرکے جواب دیتے ہیں لیکن صرف ان اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں جن کے حوالجات مل سکے ہیں۔ جن اعتراضات کے حوالہ جات باوجود کوشش کے نہیں مل سکے ان کے جوابات نہیں دیئے جا سکے۔ اگر صحیح حوالجات البیان میں شائع کر دیئے گئے تو ان کے جوابات بھی انشاء اللہ العزیز پیش کر دیئے جائینگے۔

برق صاحب رسالہ البیان کے صلا پر تحریر فرماتے ہیں:۔

(۱) "مرزا صاحب نے اپنی تحریرات میں انگریزوں کو بار بار دجال کہا ہے" اسکے ثبوت میں

ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی نے چند ایک نامکمل فقرات ازالۂ اوہام میں سے پیش کر کے لکھا ہے:

"احادیث کی رو سے مسیح موعود کا ایک کارنامہ قتلِ دجّال بھی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس مسیح نے اس دجّال کو کس طرح قتل کیا۔ ازالۂ اوہام اٹھا کر دیکھئے ص۵۰۹ پر یہ ارشاد ملے گا۔ "عہد انگریز اور عہد نوح علیہ السلام برابر ہیں۔ انگریز نوح علیہ السلام کے مثیل ہیں۔" (البیان ص۱۱۵)

اور اس سے بزعم خود جو نتیجہ نکالا ہے وہ یہ ہے:۔

"یعنی دجّال کو بیک کششِ قلم مثیلِ نوح بنا دیا۔ آپ کا فرض تو تھا قتلِ دجّال لیکن مصروف ہیں مدحِ دجّال میں۔ یہ ہے اعجازِ نبوّت۔"

اس حوالہ اور نیز آئندہ آنے والے تمام حوالہ جات میں ناظرین یہ دیکھ کر حیران ہوں گے کہ برق صاحب حوالہ کی عبارت کو Inverted Commas کے درمیان رکھ کر لوگوں پر ظاہر تو یہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ عبارت کتاب میں اسی طرح لکھی ہوئی ہے۔ تا سادہ لوح اور کم علم لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق دل میں بدظنی کو جگہ دیکر حضورؑ سے متنفر ہو جائیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ اوّل خیانتِ مجرمانہ سے کام لے کر حضورؑ کی عبارت میں تحریف کرتے ہیں اور پھر اس کا ایک خودساختہ مطلب بیان کرتے ہیں جو منشائے متکلم کے صریح برخلاف ہوتا ہے۔ اور اپنی اس ساری مغیرتانہ کارروائی کو حضورؑ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

کسی کی تحریر یا تقریر کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے کے دو ہی طریق ہیں (۱) اس کی تقریر یا تحریر کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کر دیا جائے۔ اس صورت میں Inverted Commas کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ (۲) دوسرا طریق یہ ہے کہ اس شخص کے اصل الفاظ لوگوں تک پہنچائے جائیں۔ اس صورت میں اس کی تقریر یا تحریر کے اصل الفاظ بغیر کسی کمی بیشی کے Inverted Commas کے درمیان رکھ دیئے جاتے ہیں۔ اس اصل کو مدنظر رکھ کر ہم برق صاحب کے مندرجہ بالا حوالہ کی عبارت اصل کتاب میں تلاش کرتے ہیں تو ہمیں ازالۂ اوہام کے ص۵۰۹ پر یہ تحریر ملتی ہے جو حضورؑ ان علامات کا جو بطور استعارہ مسیح نے اپنے آنے کی بیان کی ہیں ذکر کرتے ہوئے اور نیز سورۂ زلزال کی تفسیر بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس وقت نہ لڑائیاں ہوں گی اور نہ عامۂ خلائق کے امن اور عافیت میں خلل ہوگا۔

کیونکہ نوح کے زمانہ کی طرح ایک امن بخش گورنمنٹ کے تحت میں وہ لوگ زندگی بسر کرتے ہوں گے جن میں مسیح موعود نازل ہوگا..... پس اس مبارک گورنمنٹ کے زمانہ کو اگر اس امن کے زمانہ سے مشابہت دیں جو حضرت نوح کے زمانہ میں تھا تو یہ زمانہ بلاشبہ اس کا مثیل غالب ہوگا۔" (ازالۂ اوہام ص۔)

امید ہے کہ ہمارے ناظرین نے بخوبی معلوم کر لیا ہوگا کہ برق صاحب نے دجّال کو نوح علیہ السلام کا مثیل قرار دینے اور اس کی مدح کرنے کا جو بہتان حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر لگایا تھا وہ بالکل بے بنیاد اور از سرتا پا غلط تھا۔ حضورؑ دجّال کو نوح علیہ السلام کا نہیں بلکہ نزول مسیح کے زمانہ کو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ:۔

"دوسری علامت خاصہ یہ ہے کہ جب مسیح موعود آئے گا تو صلیب کو توڑے گا اور خنزیروں کو قتل کرے گا اور دجّال یک چشم کو قتل کر ڈالے گا اور جس کافر تک اسکے دم کی ہوا پہنچے گی وہ فی الفور مر جائے گا۔ سو اس علامت کی اصل حقیقت جو روحانی طور پر مراد رکھی گئی ہے یہ ہے کہ مسیح دنیا میں آکر صلیبی مذہب کی شان و شوکت کو اپنے پیروں کے نیچے کچل ڈالے گا۔ اور ان لوگوں کو جن میں خنزیروں کی بے حیائی اور خوکوں کی بے شرمی اور نجاست خوری ہے ان پر دلائل قاطعہ کا ہتھیار چلا کر ان سب کا کام تمام کرے گا۔ اور وہ لوگ جو صرف دنیا کی آنکھ رکھتے ہیں مگر دین کی آنکھ بکلی ندارد بلکہ ایک بدنما ٹینٹ نکلا ہوا ہے ان کو بیّن حجتوں کی سیف قاطعہ سے ملزم کر کے ان کی منکرانہ ہستی کا خاتمہ کر دے گا۔"

اس حوالہ پر برق صاحب ایک خیالی عمارت تعمیر کرتے ہیں:۔

"عیسائیت کا عروج سلطنت کا رہینِ منت ہے۔ اگر آج عیسائی طاقتوں سے (مسلمانوں کی طرح) سلطنت چھین لی جاوے تو معاً اس مذہب کی شان و شوکت مٹ جائے .... مرزا صاحبؑ کا پہلا فرض یہ تھا کہ دجّال (انگریز) کی سلطنت کا خاتمہ کرتے۔ اس سے کم از کم ہندوستان میں تو عیسائیت کا خاتمہ ہو جاتا۔ لیکن مرزا صاحب نے کیا کیا؟ ملاحظہ ہو ازالۂ اوہام ص۱۳۲ "ہم پر اور ہماری ذریت پر انگریزوں کی وفاداری

فرض ہے"

اس کے جواب میں واضح ہو کہ اسلام میں اس سے بڑھ کر اور کوئی ظلم کی راہ نہیں کہ دین کے لئے لوگوں پر جبر کیا جاوے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔ یعنی چونکہ ہدایت اور گمراہی متمیز ہو چکی ہیں اس لئے دین میں کوئی جبر نہیں۔ پھر فرمایا من شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔ کہ جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کر دے۔

پس ان نصوص بینہ کی موجودگی میں دین کے لئے انگریزوں پر جبر کرنا بالخصوص ایسی صورت میں کہ وہ ہمارے دینی فرائض کی سرانجام دہی میں کسی قسم کی مزاحمت نہیں کرتے سراسر ظلم ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے جس قسم کا غلبہ مقدر ہے وہ جیسا کہ مندرجہ بالا حوالہ سے ظاہر ہے غلبۂ جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ حضور نے دین اسلام کی برتری دنیا بھر کے تمام دینوں پر عموماً اور مسیحی مذہب پر خصوصاً ایسے طریق سے ثابت کر دی ہے کہ قیامت تک کے لئے عیسیٰ پرستی اور تثلیث اور کفارہ کو موت کی نیند سلا دیا ہے۔ اگر آپ کو یقین نہ ہو تو کسی بڑے سے بڑے پادری کے پاس تشریف لے جائیں اور اُسے صرف اتنا کہیں کہ میں احمدی ہوں اور آپ سے مذہبی گفتگو کرنا چاہتا ہوں، اگر وہ بطیب خاطر اس کے لئے تیار ہو جائے یا تیار ہونے کے بعد کوئی معقول جواب دے سکے تو بے شک آپ کو اعتراض کا حق ہے۔

پھر برق صاحب ازالہ اوہام ص۱۳۳ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

"ہم پر اور ہماری ذریت پر گورنمنٹ کی وفاداری فرض ہے"

اس کا سب سے پہلا جواب لعنۃ اللہ علی الکاذبین ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ازالہ اوہام ص۱۳۳ پر حضور کے اصل الفاظ یہ ہیں:-

"اور وہ تلخی اور مرارت جو سکھوں کے عہد میں ہم نے اٹھائی تھی گورنمنٹ برطانیہ کے زیر سایہ آکر ہم سب بھول گئے۔ اور ہم پر اور ہماری ذریت پر فرض ہو گیا کہ اس مبارک گورنمنٹ برطانیہ کے ہمیشہ شکر گزار رہیں۔"

ناظرین غور فرمائیں کہ کیا شکر گزاری اور وفاداری دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ اور کیا محسن کی شکر گزاری اسلام کی تعلیم میں داخل ہے یا نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مقام

پر اپنی تکالیف کا اظہار فرما رہے ہیں جو سکھوں کی چند روزہ حکومت کے ہاتھوں لوگوں کو پہنچ چکی تھیں اور جن کا شکار حضور کا خاندان بھی ہوا۔ اس بدنظمی اور بے انصافی کے بعد جب انگریزوں کی پُرامن گورنمنٹ آئی تو ہر شریف انسان پر اس کی شکرگزاری واجب ہوگئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مومنانہ رنگ میں انگریزی حکومت کا شکریہ دل سے بھی ادا کرتے ہیں اور زبان سے بھی اور جوارح سے بھی۔ مگر ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب دل سے شکر تو کر نہیں کرسکتے، زبان سے کرنے کو ان کا دل نہیں چاہتا۔ اور باقی رہے جوارح۔ تو جوارح کا شکر یا حکومت کا ڈنڈا ان سے کروا رہا ہے یا ہوائے نفسانی۔ کیونکہ آخر دجال کی تمام ایجادوں سے آپ علی قدرِ استطاعت فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ پانی کے نلکے۔ کپڑوں کی مشینیں۔ سائیکل۔ موٹر۔ ریل۔ ہوائی جہاز۔ تار ٹیلیفون اور دیگر ہزارہا قسم کی چیزیں جو شہری زندگی کا ایک جزوِ لاینفک ہوگئی ہیں، ان سب سے آپ مستفید ہو رہے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ شکر کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جو نعمت اللہ تعالےٰ یا کسی انسان کی طرف سے انسان کو ملے وہ اس کا مناسب اور برمحل استعمال بھی کرے۔ کیا اس صورت میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ آپ انگریز کے شکرگزار نہیں ہیں؟ ہیں اور ضرور ہیں مگر چونکہ یہ شکر مجبوری کا ہے اس لئے شکرگزاری میں داخل نہیں۔ ہاں جو دل سے ان نعمتوں کی قدر کرتا ہے وہ دل سے ان کا شکرگزار بھی ہے۔ اور شکرگزاری ایک اعلیٰ اخلاقی صفت ہے نہ کہ قابلِ اعتراض۔

پھر آپ لکھتے ہیں:-

"پھر اسی کتاب (ازالہ اوہام) کے صفحہ پر ارشاد ہوتا ہے" ہم مکہ و مدینہ میں اتنے آسودہ حال نہیں جتنے گورنمنٹ (یعنی دجال) کے زیرسایہ ہیں۔ رسول اللہ صلعم کا زمانہ اتنا پُرامن نہیں تھا۔ بالفاظِ دیگر لندن مکے اور مدینے سے زیادہ پُرامن ہے۔ اور دجال کا زمانہ عہدِ رسول سے زیادہ بابرکت ہے۔"

یہ حوالہ بھی آپ کی قطع و برید کا آئینہ دار ہے۔ اصل حوالہ یہ ہے:-

"میرا یہ دعویٰ ہے کہ تمام دُنیا میں گورنمنٹ برطانیہ کی طرح کوئی دوسری ایسی گورنمنٹ نہیں جس نے زمین پر ایسا امن قائم کیا ہو۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو کچھ ہم پوری آزادی سے اس گورنمنٹ کے تحت میں اشاعتِ حق کرسکتے ہیں یہ خدمت ہم مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں بیٹھ کر بھی ہرگز بجا نہیں لاسکتے۔ اگر یہ امن اور آزادی

اور بے تعصبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت عرب میں ہوتی تو وہ لوگ ہرگز تلوار سے ہلاک نہ کئے جاتے۔ اگر یہ امن اور آزادی اور بے تعصبی اس وقت کے قیصر اور کسریٰ کی گورنمنٹوں میں ہوتی تو وہ بادشاہتیں ابتک قائم رہتیں"

ظاہر ہے کہ اس میں اعتراض کی کوئی بات ہے ہی نہیں۔ صرف عبارت کو بگاڑ کر برق صاحب نے اعتراض کی گنجائش نکالی ہے۔

پھر برق صاحب لکھتے ہیں:۔

"ایک مزے کی بات سنیئے۔ ازالہ اوہام ص۲۳ پر فرماتے ہیں "میرا فریق مخالف کاذب و کافر نہیں بلکہ مسلم مخلی ہے" مطلب یہ کہ مسیح موعود کا منکر تو کافر نہیں لیکن دجال کے مخالف کو معاف کرنے کے لئے تیار نہیں۔ فرماتے ہیں "گورنمنٹ کا مخالف بڑا گنہ گار ظالم اور خبیث ہے" (ازالہ اوہام ص۴۹)

ہم ناظرین کی آگاہی کے لئے ازالہ اوہام سے اصل حوالہ درج کرتے ہیں اور بمنت درخواست کرتے ہیں کہ وہ غور فرمائیں کہ ہمارے مخالف کس طرح بددیانتی سے کام لیتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ مولوی عبدالحق صاحب غزنوی نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مباہلہ کی دعوت دی تھی۔ اور چونکہ مباہلہ میں ضروری ہوتا ہے کہ فریقین ایک دوسرے پر ملاعنہ کریں۔ یعنی لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہیں۔ لہٰذا اس کے لئے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ فریقین ایک دوسرے کے خیالات سے بخوبی واقف ہوں۔ اور فریق مخالف دانستہ حق کی مخالفت کی وجہ سے کذب کا مرتکب ہو۔ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔ تب ملاعنہ جائز ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں بھی وسعت رحمتی کل شیء کا پہلو نمایاں ہے جب تک پوری طرح اتمام حجت نہ ہو جائے اور ضد سے انسان کذب پر کمربستہ نہ ہو عذاب الٰہی کا انسان مستحق ہی نہیں ٹھہرتا۔ اور اگر غلط فہمی کی حالت میں مباہلہ کیا جاوے تو چونکہ اللہ تعالےٰ کو اپنے بندوں کی ہدایت منظور ہے نہ کہ خواہ مخواہ انہیں ہلاک کرنا اس لئے ایسے مباہلہ کا اثر ہی ظاہر نہیں ہوتا۔

اب آپ اصل حوالہ ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ اس میں کونسی بات قابل اعتراض ہے۔ برق صاحب کے عداوت میں اندھا ہونے کی یہ بھی ایک بیّن دلیل ہے کہ آپ نے آنکھیں بند کر کے مخالف کی کتاب سے حوالے نقل کر دیئے ہیں اصل کتاب دیکھنے کی تکلیف گوارا ہی نہیں

فرمائی۔ ورنہ ان کو معلوم ہو جاتا کہ حوالہ ص ۲۳۷ پر نہیں بلکہ ص ۶۳۷ پر ہے۔ حضرت اقدس کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

"ناظرین پر واضح رہے کہ میاں عبد الحق نے مباہلہ کی بھی درخواست کی تھی۔ لیکن اب تک میں سمجھ نہیں سکتا کہ ایسے اختلافی مسائل میں جن کی وجہ سے کوئی فریق کافر یا ظالم نہیں ٹھہر سکتا کیونکر مباہلہ جائز ہے۔ قرآن کریم سے ظاہر ہے کہ مباہلہ میں دونوں فریق کا اس بات پر یقین چاہئے کہ فریق مخالف میرا کاذب ہے یعنی عمداً سچائی سے روگرداں ہے۔ مخطی نہیں ہے۔ تا ہر ایک فریق لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہہ سکے۔ اب اگر میاں عبد الحق اپنے قصور فہم کی وجہ سے مجھے کاذب خیال کرتے ہیں لیکن میں انہیں کاذب نہیں کہتا بلکہ مخطی جانتا ہوں اور مخطی مسلمان پر لعنت جائز نہیں۔ کیا بجائے لعنۃ اللہ علی الکاذبین یہ کہنا جائز ہے کہ لعنۃ اللہ علی المخطئین۔ کوئی مجھے سمجھا دے کہ اگر میں مباہلہ میں فریق مخالف پر لعنت کروں تو کس طور سے کروں۔ اگر میں لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہوں تو یہ صحیح نہیں کیونکہ میں اپنے مخالفین کو کاذب تو نہیں سمجھتا۔ بلکہ ماؤل مخطی سمجھتا ہوں۔ جو نصوص کو ان کے ظاہر سے پھیر کر بلا قیام قرینہ باطن کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور کذب اسی شے کا نام ہے جو عمداً اپنے بیان میں اس یقین کی مخالفت کی جاوے جو دل میں حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ آج مجھے روزہ ہے۔ اور خوب جانتا ہے کہ ابھی میں روٹی کھا کے آیا ہوں تو یہ شخص کاذب ہے۔ غرض کذب اور چیز ہے اور خطا اور چیز۔ اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کاذبوں پر لعنت کرو۔"

اب ناظرین خود ہی غور فرمائیں کہ یہ کس قسم کی عداوت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو اپنے مخالفوں کو مسلم مخطی سمجھ کر ان سے مباہلہ نہیں کرتے اور تقویٰ اللہ سے کام لے کر انکی ہلاکت کے درپے نہیں ہوتے مگر برق صاحب پھر بھی ان سے ناراض ہیں کہ مباہلہ کیوں نہیں کرتے۔ اور مسلمانوں پر لعنت کیوں نہیں بھیجتے ؎

ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیبے است
گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

دوسرا حوالہ جس کے متعلق برق صاحب کو شکایت ہے کہ مرزا صاحب دجال کے مخالف کو

معافی کرنے کے لئے تیار نہیں۔ فرماتے ہیں "گورنمنٹ کا مخالف بڑا گنہگار ظالم اور خبیث ہے"

اس میں بھی گورنمنٹ کی عام مخالفت مراد نہیں بلکہ حضورؑ فرماتے ہیں:۔

"بموجب تعلیم اسلام (جس کی پیروی اس گروہ کا عین مدعا ہے) حقوق عباد کے متعلق اس سے بڑھ کر کوئی گناہ کی بات اور خبث اور ظلم اور پلیدی نہیں کہ انسان جس سلطنت کے زیر سایہ بامن و عافیت زندگی بسر کرے اور اس کی حمایت سے اپنے دینی و دنیوی مقاصد میں بآزادی کوشش کر سکے اسی کا بدخواہ اور بداندیش ہو۔ بلکہ جب تک ایسی گورنمنٹ کا شکرگزار نہ ہو تب تک خدا تعالیٰ کا بھی شکر گزار نہیں"

ظاہر ہے کہ حضورؑ جس امر کو معاف کرنا نہیں چاہتے وہ ایسی گورنمنٹ کی بدخواہی اور بداندیشی ہے جس کے سایہ میں انسان امن و امان سے اپنے دینی دنیوی مقاصد کو آزادی سے حاصل کر رہا ہو۔ اور اگر برق صاحب کو یہ بات بُری لگتی ہے تو یہ معافی یا عدم معافی کا سوال تو حضورؑ کے پیروؤں تک محدود ہے آپ پر کوئی پابندی نہیں ہے آپ بے شک گورنمنٹ سے مقابلہ کریں۔

برق صاحب البیان کے صہ۱۲ پر لکھتے ہیں:۔

"ایک مرتبہ چند علماء نے کسی معاملے پر "دجال" (حکومت) کی مخالفت کی۔ اس پر حضرت مسیح کو جو غصہ آیا تو زہریلے ناگ کی طرح اُبھر کر یوں پھنکارنے لگے۔ "گورنمنٹ (دجال) کی مخالفت سخت معصیت کبیرہ۔ حرام اور مکروہ بدکاری ہے ان مولویوں نے قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ (یعنی دجال) پر حملہ کر دیا" (ازالہ صفحہ ۲۷۳-۲۷۴)

اس جگہ برق صاحب نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیکر جس معاملہ میں چند علماء کے دجال کی مخالفت کرنے کا ذکر کیا ہے اس سے مراد ۱۸۵۷ء کا غدر ہے۔ اور علماء سے مراد وہ علماء ہیں جنہوں نے قائم شدہ گورنمنٹ کے برخلاف علم بغاوت بلند کیا اور انگریزوں کے معصوم بچوں اور انکی بے گناہ عورتوں کے قتل کے فتوے صادر کئے اور یہاں تک ظلم و تعدی سے کام لیا۔ کہ بلکتی ہوئی عورتوں اور ترستے ہوئے بچوں کو پانی کا گھونٹ تک نہ دیا۔ جو شخص ان وحشی اور درندوں کا نام علماء رکھے اور مسلح بغاوت کو معمولی مخالفت قرار دے اُس سے کسی نیکی کی امید کیا تحصیل حاصل ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی کتاب ازالۂ اوہام میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صفحہ ۲۲۳-۲۲۴ پر فرماتے ہیں:۔

"۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ بجز بدچلنی اور فسق و فجور کے اسلام کے رئیسوں کو اور کچھ یاد نہ تھا۔ جس کا اثر عوام پر بھی بہت پڑ گیا تھا۔ انہیں ایام میں انہوں نے ایک ناجائز اور ناگوار طریقہ سے سرکار انگریزی سے باوجود نمک کھانے اور رعیت ہونے کے مقابلہ کیا۔ حالانکہ ایسا مقابلہ اور ایسا جہاد ان کے لئے شرعاً جائز نہ تھا۔ کیونکہ وہ اسی گورنمنٹ کی رعیت اور ان کے زیرِ سایہ تھے۔ اور رعیت کا اس گورنمنٹ کے مقابل پر سر اٹھانا جس کی وہ رعیت ہے اور جس کے زیرِ سایہ امن اور آزادگی سے زندگی بسر کرتی ہے سخت حرام اور معصیت کبیرہ اور ایک نہایت مکروہ بدکاری ہے۔ جب ہم ۱۸۵۷ء کی سوانح کو دیکھتے ہیں اور اس زمانہ کے مولویوں کے فتووں پر نظر ڈالتے ہیں جنہوں نے عام طور پر مُہریں لگا دی تھیں جو انگریزوں کو قتل کر دینا چاہیئے۔ تو ہم بحرِ ندامت میں ڈوب جاتے ہیں کہ یہ کیسے مولوی تھے اور کیسے ان کے فتوے تھے جن میں نہ رحم تھا نہ عقل تھی۔ نہ اخلاق نہ انصاف۔ ان لوگوں نے چوروں اور قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ پر حملہ کرنا شروع کیا اور اس کا نام جہاد رکھا۔ ننھے ننھے بچوں اور بے گناہ عورتوں کو قتل کیا اور نہایت بے رحمی سے ان کو پانی تک نہ دیا۔

کیا یہ حقیقی اسلام تھا یا یہودیوں کی خصلت تھی۔ کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایسے جہاد کا کسی جگہ حکم دیا ہے؟"

برق صاحب لکھتے ہیں:۔

"قرآن حکیم میں کتب علیکم القتال الخ کی نص صریح کے رو سے مسلمانوں پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے۔ لیکن مرزا صاحبؑ فرماتے ہیں "دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال" کون سچا ہے خدا، مرزا صاحبؑ یا عرشی صاحب جو مرزا صاحبؑ کو جھوٹا نہیں سمجھتے"۔ (البیان صـ۱۳)

اس کے متعلق سب سے پہلا اور الزامی جواب تو یہ ہے کہ مرزا صاحبؑ نے اگر جنگ اور قتال حرام کیا ہے تو اپنے ماننے والوں پر حرام کیا ہے جن کے لئے آپؑ کا ہر قول و فعل حجت ہے

مگر آپ کے لئے تو مرزا صاحب کا قول حجت نہیں۔ آپ لوگ گھروں میں بیٹھے کیا کر رہے ہیں بڑی خوشی سے جہاد پر تشریف لے جائیے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مسلمان طبعاً قتال وجدال پسند نہیں ہوتا۔ اور اس کی سب سے بڑی مسرت یادِ الٰہی میں ہوتی ہے جو امن کے زمانہ میں ہی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ جس آیت کا آپ نے نصف سے بھی کم ٹکڑا نقل کر کے جہاد فرض قرار دیا ہے وہ ساری آیت یوں ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ○

یعنی قتال تم پر فرض کیا گیا ہے ایسی حالت میں کہ تم اُسے ناپسند کرتے ہو۔ اور قریب ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو مگر وہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ اور قریب ہے کہ ایک چیز کو تم پسند کرو لیکن وہ تمہارے لئے شر کا موجب ہو۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

(بقرہ آیت ۲۱۷)

مطلب اس آیت شریف کا یہ ہے کہ آج مسلمانوں پر ایک ضرورت کے ماتحت لڑائی فرض کی گئی ہے مگر مومن اپنی طبعی امن پسندی کی وجہ سے اسے ناپسند کرتے ہیں۔ حالانکہ قتال کرنا اُن کے لئے مفید ہے۔ مگر ایک زمانہ آئے گا جب مسلمان جہاد کرنا چاہیں گے لیکن طاقت نہ ہونے کی وجہ سے جہاد کرنا ان کے لئے سخت مضر ہو گا۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ جہاد کب کرنا ہے اور کب نہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے اور اپنے وقت پر ہی ہر چیز اچھی ہوتی ہے۔ روزے فرض ہیں۔ کیا مسلمان سارا سال روزے ہی رکھتے رہتے ہیں۔ نماز فرض ہے۔ کیا ہر وقت مسلمان نمازیں ہی پڑھتے رہتے ہیں۔ کلوا واشربوا کا حکم ہے مگر کیا ہر وقت مسلمان کھاتے پیتے ہی رہتے ہیں۔ کیا طلوع وغروب آفتاب اور عین دوپہر کے وقت نماز پڑھنا جائز ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر اگر کوئی اس وقت نماز پڑھنے والے کو نماز سے منع کرے تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ اس نے نماز کا حکم منسوخ کر دیا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اس کا مطلب صرف اتنا ہی ہو گا کہ یہ وقت نماز کا نہیں۔ بعینہٖ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہیں فرمایا کہ جہاد کا حکم منسوخ ہو گیا ہے بلکہ حضور فرماتے ہیں "دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال"

یعنی یہ زمانہ تلوار کے جہاد کا نہیں۔ کیوں؟ اس کی وجہ بھی حضورؑ ہی سے سُنئے ؎

فرما چکا ہے سیّدِ کونین مصطفےٰ ؛ عیسےٰ مسیح جنگوں کا کردے گا التوا[1]
جب آئے گا تو صلح کو وہ ساتھ لائیگا ؛ جنگوں کے سلسلہ کو وہ یکسر مٹائے گا
پیویں گے ایک گھاٹ پہ شیر اور گوسپند ؛ کھیلیں گے بچے سانپوں سے بے خوف بے گزند
یعنی وہ وقت امن کا ہوگا نہ جنگ کا ؛ بھولیں گے لوگ مشغلہ تیر و تفنگ کا
یہ حکم سُن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا ؛ وہ دشمنوں سے سخت ہزیمت اٹھائیگا

ظاہر ہے خود نشاں کہ زماں وہ زماں نہیں ؛ اب قوم میں ہماری وہ تاب و تواں نہیں
اب تم میں خود وہ قوت و طاقت نہیں رہی ؛ وہ سلطنت وہ رعب وہ شوکت نہیں رہی
وہ نام وہ نمود وہ دولت نہیں رہی ؛ وہ عزم مقبلانہ وہ ہمت نہیں رہی
وہ علم وہ صلاح وہ عفت نہیں رہی ؛ وہ نور اور وہ چاندسی طلعت نہیں رہی
وہ درد وہ گداز وہ رقت نہیں رہی ؛ خلقِ خدا پہ شفقت و رحمت نہیں رہی

اب تم میں کیوں وہ سیف کی طاقت نہیں رہی ؛ بھید اس میں ہے یہی کہ وہ حاجت نہیں رہی
اب کوئی تم پہ جبر نہیں غیر قوم سے ؛ کرتی نہیں ہے منع صلوٰۃ اور صوم سے
ہاں آپ تم نے چھوڑ دیا دیں کی راہ کو ؛ عادت میں اپنی کر لیا فسق و گناہ کو

تقویٰ کے جتنے جامے تھے سب چاک ہو گئے ؛ جتنے خیال دل میں تھے ناپاک ہو گئے
کچھ کچھ جو نیک مرد تھے وہ خاک ہو گئے ؛ باقی جو تھے وہ ظالم و سفاک ہو گئے

اور چوتھا جواب یہ ہے کہ تلوار کے جہاد کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جہاد اصغر فرمایا ہے اور اصلاحِ نفس کے جہاد کو جہاد اکبر۔ چنانچہ حضورؐ فرماتے ہیں رجعنا من الجھاد الاصغر

---

[1] جو چیز ملتوی کی جاتی ہے کیا وہ منسوخ ہو جاتی ہے؟ التوا کے معنی ایک چیز کو کسی دوسرے وقت پر اُٹھا رکھنا ہیں۔ پھر جہاد منسوخ کیسے ہو گیا۔

الی الجہاد الاکبر۔

قرآن کریم نے بھی تبلیغ اور اصلاح نفس کے جہاد کو جہاد کبیر قرار دیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا ہے جاھد بہ جھاداً کبیراً۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام موجودہ زمانہ کے جہاد میں قلمی، لسانی، جانی، مالی ہر رنگ میں حصہ لے رہے ہیں۔ اور نہ صرف خود اس پر دل و جان سے عمل پیرا ہیں بلکہ اپنے ماننے والوں سے بھی اس پر عمل کروا رہے ہیں۔ اور آپ لوگ صرف دماغی عیش کے لئے اس قسم کی زبانی بحثیں چھیڑتے ہیں۔ عملی رنگ میں اگر آپ سے آج اس آسان سے آسان جہاد کا بھی مطالبہ کیا جاوے تو ننانوے فیصدی وہ لوگ نکلیں گے جو برملا کہدیں اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون۔

پس ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب کو بغور سُننا چاہیئے کہ خدا بھی سچا ہے اور خدا کا رسول بھی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی۔ اور بفحوائے من جاء بالصدق وصدق بہ اولٓئک ھم المتقون عرشی صاحب بھی سچے ہیں۔ اور اگر کوئی جھوٹا ہے تو وہ وہی ہے جس کے جھوٹ پر اس کا عمل گواہی دے رہا ہے۔

قرآن کریم نے تلوار کے جہاد کی جن لوگوں کو اجازت دی تھی اور جن حالات میں اجازت دی تھی اس کا ذکر خود قرآن کریم نے فرمایا ہے۔ فرماتا ہے:۔

اُذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر۔ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حقٍّ الا ان یقولوا ربنا اللہ۔ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم لبعضٍ لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیراً ولینصرنّ اللہ من ینصرہٗ ان اللہ لقوی عزیز۔ (حج ع ۶)

پھر فرمایا:۔

ومالکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا۔ واجعل لنا من لدنک ولیاً واجعل لنا من لدنک نصیراً۔ (نساء ع ۱۰)

پھر فرمایا:۔

الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانهم وهموا باخراج
الرسول وهم بدؤکم اول مرة اتخشونهم فالله احق ان
تخشوه ان کنتم مؤمنین ٥

امید ہے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ جنگ اور قتال کن لوگوں سے اور کن حالات میں جائز اور فرض قرار دی گئی ہے۔ جب تک یہ حالات پیدا نہ ہو جائیں عقل اور نقل ہر دو کی رو سے قتال حرام ہے۔

اور یہ بھی تو خیال فرمائیں کہ آپ کے ہاتھ میں تو لاٹھی بھی نہیں اور جن لوگوں سے آپ برسر پیکار ہونا چاہتے ہیں ان کے پاس بندوقیں ہیں، توپیں ہیں، ہوائی جہاز ہیں، ٹینک ہیں، مشین گنیں ہیں، زہریلی گیسیں ہیں اور ہر قسم کے تباہی مچانے والے بم ہیں۔ اور آجکل تو ان کے پاس ایٹم بم ہے جس کے مقابلہ میں یہ ساری چیزیں بیکار ہو گئی ہیں۔ جرمن اور جاپان جیسی منظم اور ترقی یافتہ سلطنتیں ان کا مقابلہ نہ کر سکیں تو آپ نہتے ہو کر جو جہاد جہاد کی رٹ لگا رہے ہیں یہ دماغی عیش نہیں تو اور کیا ہے؟

پھر برق صاحب ص۱ کے ماتحت حضرت اقدسؑ کی حسب ذیل تحریر شہادت القرآن سے پیش کرتے ہیں:۔

"خاص کر وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کے لئے آواز آئے گی هذا خلیفة الله المهدی۔ اب سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے جو ایسی کتاب میں درج ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہلاتی ہے۔
(شہادۃ القرآن ص۴۱)"

اور اس پر مندرجہ ذیل اعتراض کرتے ہیں:۔

"اٹھائیے بخاری اور اول سے آخر تک دیکھ جائیے۔ کہیں یہ حدیث نہیں ملے گی۔ اگر عرشی صاحب فرمائیں کہ یہ حدیث بخاری میں تو نہیں فلاں کتاب میں موجود ہے اور مرزا صاحب کے حافظے نے غلطی کھائی تو پھر ہم اور عرشی صاحب متفق ہو گئے کہ دروغگو را حافظہ نباشد"

۱۔ یہ اعتراض ظاہر کرتا ہے کہ ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی کا مقصد ان اعتراضات سے نہ عرشی صاحب تک حق پہنچانا ہے اور نہ خود حق پانا بلکہ بندگانِ خدا کو راہ حق سے

بھڑکانا اور یا ان کی ناحق دلآزاری کر کے بل ران علیٰ قلوبھم ما کانوا یکسبون کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔ ورنہ پڑھے لکھے آدمی سے سبقتِ قلم کا ارتکاب ہو جانا بالکل معمولی بات ہے۔ اور پھر حضرت اقدسؑ کے متعلق تو برق صاحب کا خود اقرار موجود ہے کہ آپؑ اسّی بیاسی کتب کے مصنف ہیں۔ ایسے انسان سے اتنی خفیف سی فروگذاشت ہرگز اس قابل نہیں کہ اس پر گرفت کی جا سکے یا دروغگوئی جیسے مکروہ فعل کا اُسے مرتکب گردانا جائے۔ انسان ہو کر جس کے متعلق الانسان مرکب من الخطاء والنسیان کا مقولہ مشہور ہے انسانی خاصہ سے جو سہو و نسیان ہے انکار کرنا اور دوسرے انسانوں کی ایسی معمولی معمولی باتوں میں گرفت کرنا جن میں انسان خود بھی ہزار ہا دفعہ مبتلا ہو جاتا ہے نہ صرف یہ کہ نامناسب ہے بلکہ ایک رنگ میں خدائی کا دعوے کرنا ہے۔ کیونکہ انہ لا یضل ربی ولا ینسیٰ اسی کی شان ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دُعا سکھلائی ہے ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق خود اللہ تعالیٰ کی شہادت موجود ہے کہ فنسی ولم نجد لہ عزما۔ کہ آدمؑ بھول گیا لیکن ہم نے اس بھول چوک میں اس کا ارادہ نہیں پایا۔

اس جگہ موقع اور مقام کی مناسبت کے لحاظ سے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ برق صاحب کی واقفیت کے لئے ہم ایک فقہی مسئلہ بھی بیان کر دیں۔ اور وہ یہ ہے کہ کوئی فعل اُس وقت تک قابلِ گرفت نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ علم اور ارادہ شامل نہ ہو۔ مثال سنیئے۔ رمضان کا مہینہ ہے۔ ایک شخص روزہ دار ہے۔ بھول کر کھانا کھانے بیٹھ گیا یا پانی یا کوئی اور نوشیدنی چیز پی لی۔ اب اس کی تین صورتیں ہیں۔ اگر مجرد فعل ہے نہ روزہ کا علم ہے اور نہ روزہ توڑنے کا ارادہ تو یہ کھانا پینا موجب ثواب بھی ہوگا اور روزہ بھی قائم رہے گا۔

اگر علم ہے اور ارادہ نہیں یعنی اسے معلوم ہے کہ روزہ دار ہوں پھر وضو کرتے ہوئے بلا ارادہ پانی حلق سے نیچے اُتر گیا ہے تو صرف روزہ کی قضاء لازم آئے گی۔ لیکن اگر علم کے ساتھ ارادہ بھی شامل ہو جائے، علم ہو کر روزہ رکھا ہوا ہے مگر بھوک پیاس کی برداشت نہ کرتے ہوئے ارادۃً کھانا کھالے یا پانی پی لے تو غلام آزاد کرنے یا ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلانے یا متواتر ۶۰ روزے رکھنے کی سزا بھی ملے گی۔

اب اگر آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دروغگوئی کا فعل منسوب کرنا چاہتے ہیں

تو آپ کے لئے ضروری ہے کہ حضورؑ کے اس فعل کے ساتھ علم اور ارادہ کی موجودگی کا ثبوت بھی بہم پہنچائیں۔ جو آپ مر بھی جائیں تو نہیں کر سکتے۔ اور جب نہیں کر سکتے تو مجرد فعل پر تو خدا بھی گرفت نہیں کرتا۔ آپ گرفت کرنے والے کون ہیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بخاری شریف میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپؐ نے چار رکعت فرض نماز کی جگہ دو رکعت پڑھائیں۔ ایک صحابی نے جن کا نام ذوالیدین تھا عرض کی اُنسیت ام قصرت الصلوٰۃ یا رسول اللہ۔ کہ حضورؐ بھول گئے ہیں یا نماز قصر ہو گئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کُلُّ ذٰلِکَ لَمْ یَکُنْ لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ۔ کہ نہ مَیں بھولا ہوں اور نہ نماز قصر ہوئی ہے لیکن جب دوسرے صحابہؓ نے ذوالیدین کی تائید کی تو حضورؐ نے دو رکعت اور پڑھائیں اور سجدۂ سہو بھی فرمایا۔

قرآن کریم میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی ہم تجھے پڑھائیں گے پھر تو نہ بھولے گا۔ مگر وہی جسے اللہ چاہے گا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے فتی کے متعلق لکھا ہے۔ نَسِیَا حُوْتَھُمَا۔ یعنی دونوں اپنی مچھلی بھول گئے۔

گویا حضرت آدم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم الشان اور اولوالعزم انبیاءؑ بھی اس سے محفوظ نہیں۔ کیا برق صاحب اپنی دریدہ دہانی سے ان انبیاءؑ پر بھی دروغگوئی کا الزام اسی طرح لگانے کے لئے تیار ہیں جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر۔

پھر مَیں کہتا ہوں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ کہ قرآن پہلی کتب میں موجود ہے۔ پھر فرمایا اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى۔ صُحُفِ اِبْرَاھِیْمَ وَ مُوْسٰى۔ کیا برق صاحب وہ صحف ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام پیش کر سکیں گے جن میں یہ سورت بعینہٖ انہیں الفاظ میں موجود ہو۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو کیا آپ اس فتویٰ کی لپیٹ میں اللہ کو بھی لینے کے لئے تیار ہیں؟

پھر خود برق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کے کئی حوالے اپنے اس مضمون میں غلط دیئے ہیں۔ کیا آپ اپنے متعلق بھی وہی فتوے صادر کرنے کے لئے تیار ہیں جو آپ نے لاکھوں انسانوں کے واجب الاطاعت امام اور پیشوا کی شان میں صادر کیا ہے۔

پھر برقی صاحب لکھتے ہیں :-

"تفسیر ثنائی میں درج ہے کہ ابوہریرۃ فہم قرآن میں ناقص ہے۔ اس کی درایت پر محدثین کو اعتراض ہے (ضمیمہ براہین احمدیہ ص۲۳۵) تفسیر ثنائی میں یہ چیز قطعاً نہیں۔"

جیسا کہ ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ برقی صاحب نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کی کتابوں سے اندھا دھند حوالے نقل کر دیئے ہیں۔ بطور خود تحقیق کرنے اور ان کتابوں کا ذاتی طور پر مطالعہ کرنے کی تکلیف انہوں نے گوارا نہیں فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں۔

چنانچہ اس کورانہ تقلید کا یہ نتیجہ ہے کہ آپ حوالہ میں ضمیمہ براہین احمدیہ ص۲۳۵ لکھ رہے ہیں حالانکہ اس کتاب کے کل صفحات ۲۲۵ ہیں۔ کیا "در وغگو را حافظہ نباشد" کی اس سے بدتر مثال کوئی اور بھی مل سکتی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ عدم علم سے عدم شئی لازم نہیں آتا۔ اگر اعتراضات کا شوق ہے تو پہلے علم حاصل کریں۔ یہ چیز تفسیر ثنائی میں ہے اور ضرور ہے۔ آپ پہلے عربی کتب پڑھنے کے لئے عربی زبان سیکھیں پھر کتاب پڑھیں اور پھر اعتراض کریں۔

پھر لکھا ہے :-

"اذ قال اللہ یعیسٰی ... ءانت قلت للناس۔ الخ ماضی کا واقعہ ہے (ازالہ ص۶۰۱) قیامت کا واقعہ ہے (کشتی نوح ص۶۹)"

"کس بات کا اعتبار کریں"

اس کا جواب یہ ہے کہ قواعد نحویہ کی رو سے تو بلاشبہ ماضی کا واقعہ ہے۔ کیونکہ فعل ماضی ہے اور اِذْ کا حرف صرف ماضی سے خاص ہے۔ لیکن اسلوب قرآنی کے لحاظ سے یہ قیامت کا واقعہ ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں مستقبل کے واقعات کو یقینی الوقوع ثابت کرنے کے لئے ماضی کے صیغہ میں بیان کیا گیا ہے۔ جیسے اذا الشمس کورت و اذا النجوم انکدرت۔ پس آپ اگر عربی زبان میں شدبد رکھتے اور قرآن کریم کا صرف ترجمہ ہی جانتے ہیں تو دونوں باتوں پر اعتبار کر سکتے ہیں۔ اور اگر نہیں تو پہلے کسی سے عربی پڑھیں، قرآن کریم کا مطالعہ کریں، پھر شوق سے اعتراض کریں۔ ورنہ اس سے زیادہ قابل شرم اور کیا بات ہوگی کہ آپ اپنی لاعلمی کی وجہ سے نخواہ مخواہ دوسروں پر اعتراض کریں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے بزرگ بھی ہر دو

احتمالات کے قائل ہیں۔ دیکھیئے ترمذی کتاب التفسیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۲ حاشیہ مطبع مجتبائی پر کیا لکھا ہے

"واذ قال الله یعیسی ابن مریم۔الخ قال فی المدارك الجمهور علی ان هذا السؤال یکون فی یوم القیامة ودلیله سیاق الآیة وسباقها وقیل خاطبه به حین رفعه الی السماء ودلیله لفظ اذ"

ترجمہ اس عبارت کا یہ ہے آیت ءانت قلت للناس کے متعلق تفسیر مدارک میں لکھا ہے کہ جمہور کا یہی خیال ہے کہ یہ سوال قیامت کو ہوگا۔ اور اس کی دلیل آیت کا سیاق و سباق ہے لیکن بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ سوال مسیح کے رفع کے وقت ہو چکا ہے۔ ان لوگوں کی دلیل لفظ اِذْ ہے (جو ماضی کے لئے آتا ہے)

پھر برق صاحب لکھتے ہیں:۔

(۱) "حضرت مسیح کی عمر ۱۵۳ برس تھی" (تذکرۃ الشہادتین اردو صفحہ ۲۷)

(۲) "حضرت مسیح کی عمر ۱۲۵ برس تھی" (مسیح ہندمیں صفحہ ۵۳)

(۳) "حضرت مسیح کی عمر ۱۲۰ برس تھی" (ریویو جلدہ ۵ صفحہ ۱۸۱)

اور پھر اپنی فطرت کا اظہار بالفاظ ذیل کیا ہے:۔

"مت سمجھیئے کہ یہ فقرے کسی مخبوط الحواس انسان کے منہ سے نکلے ہیں بلکہ القادیان کا پیغمبر اعظم بول رہا ہے اور بقائمی حواس خمسہ"

اس کا سب سے پہلا جواب تو لعنۃ اللہ علی الکاذبین ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح کی عمر ۱۵۳ برس تھی" یہ فقرہ اگر آپ تذکرۃ الشہادتین میں سے نکال کر دکھلا دیں تو مبلغ یکصد روپیہ انعام لیں۔ اور اگر نہ دکھلا سکیں اور قیامت تک نہ دکھلا سکیں گے تو پھر اپنی غلط بیانی پر نادم ہوں۔

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح کی عمر ایک سو بیس سال اور ایک سو پچیس سال حدیثوں میں لکھی ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو مواہب اللدنیہ جلد اوّل صفحہ ۲۴۳)

"عن عائشة انه صلی الله علیه وسلم قال فی مرضه الذی توفی فیه لفاطمة ان جبریل کان یعارض القرآن فی کل عام مرة وانه عارضنی القرآن مرتین واخبرنی انه لم یکن

نبیّ الّا عاش نصف الّذی قبلہ و اخبرنی انّ عیسٰی ابن مریم عاش عشرین ومائۃ سنۃ ولا اری الا انی ذاھب علی رأس الستّین ۔"

نیز دیکھیں ماثبت بالسنۃ صفحہ ۲۹ مصنفہ علامہ عبدالحق محدث دہلوی :-

"لم یکن نبیّ الّا عاش نصف عمر اخیہ الّذی قبلہ وقد عاش عیسٰی خمسًا وعشرین سنۃ ومائۃ ۔"

اب اگر ہمت ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور علامہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کے متعلق بھی ایسے فتوے صادر کریں یا آئندہ کے لئے ایسے باطل اعتراضات سے توبہ کریں ۔

"حضرت مسیح زندہ ہیں اور دوبارہ آئیں گے" ملخص براہین احمدیہ صفحہ ۴۹۸،۵۰۵

"حیات مسیح کا قول بے ایمانی ہے" (ازالہ صفحہ ۵۵۴)

"تو مرزا صاحب کیا ہوئے ۔ ۔ ۔ ۔ ایک قادیانی بول اُٹھے گا پیغمبر"

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ؎

ہر کہ تف افگند بمہرِ منیر ٭ ہم برویش فتد تف تحقیر

تا قیامت تف است بر رویش ٭ قدسیاں دُور تر ز بد بویش

دوسرا جواب یہ ہے ۔ آپ دوسروں کو بے ایمان ثابت کرتے کرتے خود پرلے درجے کی بے ایمانی کا ارتکاب کر رہے ہیں ۔ کہ نادیدہ کتابوں کے غلط سلط حوالے درج کر رہے ہیں ۔ اور نہ صرف مخلوقِ خدا کو بہکانے کی کوشش کر رہے ہیں بلکہ مجیب کو بھی خواہ مخواہ کی پریشانی میں ڈال رہے ہیں ۔ اوّل تو کتاب میں حوالہ کے یہ الفاظ ہی نہیں جو ایک خواندہ آدمی کے لئے بہت ہی باعثِ شرم ہے ۔ اور دوسرے اس حوالہ کا مضمون باختلافِ الفاظ ازالہ کے صفحہ ۵۴۷ پر ہے نہ کہ صفحہ ۵۵۴ پر ۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اصل حوالہ مندرجہ ذیل ہے :-

"جبکہ ہمارا دعویٰ مبنی بر نصوصِ بیّنہ قرآنیہ ہے اور اس کی تائید میں صحیح آیتیں بھی ہمارے پاس ہیں ۔ اور ایسا ہی اقوالِ سلف وخلف بھی ہماری تائید میں کچھ تھوڑے نہیں ۔ اور الہامی شہادت ان سب کے علاوہ ہے ۔ سو اب تم انصاف کے ترازو لیکر بیٹھ جاؤ اور ایک پلّہ میں اپنے خیالات رکھو اور دوسرے میں ہماری یہ سب وجوہات

اور آپ ہی انصاف کرلو۔ خوب سوچ لو کہ اگر ہمارے پاس صرف نصوص قرآن کریم ہی ہوتیں تو فقط وہی کافی تھیں۔ اب جس حالت میں بعض حدیثیں بھی ان نصوص کے مطابق ہوں تو پھر گویا وہ یقین نورٌ علیٰ نور ہے جس سے عمداً انحراف ایک قسم کی بے ایمانی میں داخل ہے۔"

ڈاکٹر صاحب غور فرمائیں کہ کیا چیز بے ایمانی ہے؟ نصوص قرآنیہ و حدیثیہ اور اقوال بزرگان سلف وخلف اور تازہ الہامی شہادت سے عمداً انحراف بے ایمانی ہے؟ اور اگر یہ بے ایمانی نہیں بلکہ ایمانداری ہے تو ایسی ایمانداری جو قرآن کو چھوڑ کر، حدیث کو چھوڑ کر، بزرگوں کو چھوڑ کر اور اللہ تعالیٰ کی الہامی شہادت کو چھوڑ کر نصیب ہو ان کو اور ان کے ہمنواؤں کو ہی مبارک رہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ انبیاءؑ کمال ادب کے مقام میں ہوتے ہیں۔ وہ بن بلائے بولنا معصیت میں داخل سمجھتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث اور تواریخ میں بتصریح یہ بات موجود ہے کہ حضورؐ کامل انکشاف سے قبل اہلِ کتاب کی متابعت ضروری خیال فرماتے تھے چنانچہ مدینہ تشریف لے جاکر بھی ۱۶ ماہ بیت المقدس کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھتے رہے۔ جب تحویلِ قبلہ کا حکم ہوا تو عین نماز کی حالت میں ہی مکہ معظمہ کی طرف رُخ کرلیا۔ جب تک حُرمتِ شراب کے احکام نازل نہ ہوئے تھے بعض صحابہؓ شراب پیا کرتے تھے اور حضورؐ ان کو منع نہیں فرماتے تھے۔ کیونکہ ادب کا مقام اس امر کا مقتضی تھا کہ جب خدا جو دانا بینا ہے ان لوگوں کو شراب پینے سے نہیں روکتا تو حضورؐ کو اس معاملہ میں پیش قدمی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ پس اسی سُنّتِ انبیاءؑ کے مطابق جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود تصریح فرمادی ہے کہ چونکہ مَیں عالم الغیب نہیں۔ جب تک مجھے مسیح کی موت کا انکشاف نہ ہوا مَیں نے قوم کا رسمی عقیدہ نہ چھوڑا مگر جب اللہ تعالیٰ نے صریح طور پر فرمایا کہ مسیح فوت ہوگیا ہے اور آنے والا مسیح تو ہی ہے تو پھر مَیں نے اس عقیدہ کو ترک کردیا۔ تو پھر باوجود اس تصریح کے حضورؑ پر اعتراض کرنا پرلے درجے کی بے ایمانی نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا آپ کے نزدیک کسی امر کے متعلق علم حاصل ہوجانے کے بعد بھی جہالت کے خیالات پر اڑے رہنا ایمانداری ہے یا بے ایمانی؟

ہم ذیل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان فرمودہ تصریح ناظرین کی آگاہی کیلئے درج کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

ا۔ "مَیں نے براہین احمدیہ میں جو کچھ مسیح بن مریم کے دوبارہ دُنیا میں آنے کا

ذکر لکھا ہے وہ ذکر صرف ایک مشہور عقیدہ کے لحاظ سے ہے جس کی طرف آجکل ہمارے مسلمان بھائیوں کے خیالات جھکے ہوئے ہیں۔ سو اسی ظاہری اعتقاد کے لحاظ سے میں نے براہین میں لکھ دیا تھا۔ کہ مَیں صرف مثیل موعود ہوں۔ اور میری خلافت صرف روحانی خلافت ہے۔ لیکن جب مسیح آئے گا تو اس کی ظاہری اور جسمانی دونوں طور پر خلافت ہوگی۔ یہ بیان جو براہین احمدیہ میں درج ہو چکا ہے صرف اس سرسری پیروی کی وجہ سے ہے جو ملہم کی قبل از انکشاف اصل حقیقت اپنے نبی کے آثار مرویہ کے لحاظ سے لازم ہے۔ کیونکہ جو لوگ خدا تعالےٰ سے الہام پاتے ہیں وہ بغیر بلائے نہیں بولتے اور بغیر سمجھائے نہیں سمجھتے۔ اور بغیر فرمائے کوئی دعویٰ نہیں کرتے۔ اور اپنی طرف سے کسی قسم کی دلیری نہیں کر سکتے۔ اسی وجہ سے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب تک خدا تعالےٰ کی طرف سے بعض عبادات کے ادا کرنے کے بارہ میں وحی نازل نہیں ہوتی تھی تب تک اہل کتاب کی سنن دینیہ پر قدم مارنا بہتر جانتے تھے۔ اور بر وقت نزول وحی اور دریافت اصل حقیقت کے اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ سو اسی لحاظ سے حضرت مسیح ابن مریم کی نسبت اپنی طرف سے براہین میں کوئی بحث نہیں کی گئی تھی۔ اب جو خدا تعالےٰ نے حقیقت امر کو اس عاجز پر ظاہر فرمایا تو عام طور پر اس کا اعلان از بس ضروری تھا۔" (ازالہ اوہام صفحہ طبع سوم)

۲۔ "مَیں نے مسلمانوں کا رسمی عقیدہ براہین احمدیہ میں لکھ دیا تا میری سادگی اور عدم بناوٹ پر گواہ ہو۔ وہ لکھنا جو الہامی نہ تھا محض رسمی تھا۔ مخالفوں کے لئے قابلِ استناد نہیں کیونکہ مجھے خود بخود غیب کا دعوےٰ نہیں۔ جب تک خود خدا تعالیٰ مجھے نہ سمجھا دے۔" (کشتی نوح صفحہ ۴۷)

۳۔ "مجھے کب اس بات کا دعویٰ ہے کہ مَیں عالم الغیب ہوں۔ جب تک مجھے خدا نے اس طرف توجہ نہ دی اور بار بار نہ سمجھایا کہ تو مسیح موعود ہے اور عیسیٰ فوت ہو گیا ہے۔ تب تک مَیں اسی عقیدہ پر قائم تھا جو تم لوگوں کا عقیدہ ہے۔ اسی وجہ سے کمال سادگی سے مَیں نے حضرت مسیح کے دوبارہ آنے کی نسبت براہین میں لکھا ہے۔ جب خدا نے مجھ پر اصل حقیقت کھول دی تو مَیں اس عقیدہ سے باز آگیا۔ مَیں نے بجز کمال یقین کے جو میرے دل پر محیط ہو گیا اور مجھے نور سے بھر دیا اِس

رسمی عقیدہ کو نہ چھوڑا۔" (اعجاز احمدی ص۶)

۴۔"میرے کلام میں کچھ تناقض نہیں۔ مَیں تو خدا تعالیٰ کی وحی کی پیروی کرنے والا ہوں۔ جب تک مجھے اس سے علم نہ ہوا مَیں وہی کہتا رہا جو اوائل میں مَیں نے کہا۔ اور جب مجھ کو اس کی طرف سے علم ہوا تو مَیں نے اس کے مخالف کہا۔ مَیں انسان ہوں مجھے عالم الغیب ہونے کا دعوےٰ نہیں۔ بات یہی ہے جو شخص چاہے قبول کرے یا نہ کرے۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۵۰)

ایسے واضح بیانات کے ہوتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اس قسم کے الفاظ کا استعمال کرنا جو برق صاحب نے کئے ہیں پرلے درجہ کی بد باطنی ہے۔

(۲۱) پھر آپ ع۲۱ کے ماتحت لکھتے ہیں :۔

"قرآن شریف میں مسیح کے آنے کا کہیں ذکر موجود نہیں۔" (ازالہ ص۳)

"مَیں اپنے آپ کو وہی مسیح کہتا ہوں جس کے آنے کا ذکر قرآن میں اجمالاً اور حدیث میں صریحاً موجود ہے۔" (ازالہ ص۱۹)

اور پھر ہر دو بیانات پر بدیں الفاظ اعتراض کیا ہے :۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ مرزا صاحبؑ کے دماغ کا ماتم کریں یا ان لوگوں کی عقل کا جو آپؑ کو پیغمبر سمجھ بیٹھے ہیں۔ اگر قادیانیوں کی عقل پر پتھر نہ پڑے ہوتے تو وہ اس طرح کے مخبوط الحواس انسان کو نبی کیوں سمجھتے۔ سچ ہے جیسی روح ہو ویسے ہی فرشتے بھی مل جاتے ہیں۔"

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ آپ سے بڑھکر بھی کوئی مخبوط الحواس انسان ہو سکتا ہے جو باوجود ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی ہونے کے اس قدر کو رمغز واقع ہوئے ہیں کہ جس شخص پر زبانِ طعن دراز کرنے لگے ہیں اس کی کتاب کو اٹھا کر دیکھا تک نہیں اور بار بار بیہودیانہ کتربیونت کر کے اپنے دل کا بخار نکال رہے ہیں ؟

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر آپ لوگ یہود نامسعود کی ان خصوصیات کے حامل نہ ہوتے اور آپ لوگوں میں اسلام کی کوئی حقیقت موجود ہوتی تو سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی آج سے ساڑھے تیرہ صدیاں پیشتر فرمائی ہوئی پیشگوئیاں کس طرح پوری ہوتیں۔ اور اگر آپ لوگوں کے اخلاق درست ہوتے تو اللہ تعالیٰ کو نبی بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ نبی تو اسی وقت مبعوث

ہوتا ہے جب لوگ روحانی صفات کی کینچلی اُتار کر شیطانی لباس میں ملبوس ہوجاتے اور ناکردنی افعال سے نفرت کرنے کی بجائے ان پر فخر کرنے لگ جاتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا تھا یوشك ان یأتی علی النّاس زمان لا یبقٰی من الاسلام الّا اسمہ ولا یبقٰی من القرآن الّا رسمہ مساجدھم عامرۃ وھی خراب من الھدٰی علماءھم شرمن تحت ادیم السّماء۔ من عندھم تخرج الفتنۃ۔ فیھم تعود۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ازالہ صفحہ پر جس عبارت میں یہودیانہ تحریف کرکے آپ نے اپنے مفید مطلب حوالہ بنایا ہے وہ اصل عبارت حسب ذیل ہے :۔

"میرا بیان مسیح موعود کی نسبت جس کی آسمان سے اُترنے اور دوبارہ دُنیا میں آنے کی انتظار کی جاتی ہے۔ جیسا کہ خدا تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے میرے پر کھول دیا ہے یہ ہے کہ مسیح کے دوبارہ دُنیا میں آنیکا قرآن شریف میں تو کہیں ذکر نہیں۔ قرآن شریف تو ہمیشہ کے لئے اُس کو دُنیا سے رخصت کرتا ہے۔ البتہ بعض حدیثوں میں جو استعارات سے پُر ہیں مسیح کے دوبارہ دُنیا میں آنے کے لئے بطور پیشگوئی بیان کیا گیا ہے۔ سو ان حدیثوں کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ اس جگہ درحقیقت مسیح ابن مریم کا ہی دوبارہ دُنیا میں آجانا ہرگز مراد نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک لطیف استعارہ ہے جس سے مراد یہ ہے کہ کسی ایسے زمانہ میں جو مسیح ابن مریم کے زمانہ کا ہمرنگ ہوگا ایک شخص اصلاح خلائق کے لئے دُنیا میں آئے گا جو طبع اور قوت اور اپنے منصبی کام میں مسیح ابن مریم کا ہمرنگ ہوگا۔"

اب ناظرین ایک طرف برق صاحب کے اُس یہودیانہ محرّف مبدّل حوالہ کو دیکھیں جو آپ نے رسالہ میں درج کیا ہے یعنی "قرآن شریف میں مسیح کے آنے کا کہیں ذکر موجود نہیں" اور دوسری طرف ازالہ اوہام کی اِس اصل عبارت کو دیکھیں اور پھر خدا ترسی سے فیصلہ فرمائیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کس مسیح کے متعلق ذکر فرما رہے ہیں کہ اس کے آنے کا قرآن شریف میں کوئی ذکر نہیں۔ ظاہر ہے کہ حضورؑ یہ ذکر فرما رہے ہیں کہ مسیح ابن مریم فوت ہوچکے ہیں۔ اور ان کے آسمان سے اُترنے اور دُنیا میں دوبارہ آنے کا قرآن شریف میں کوئی ذکر نہیں۔ نہ یہ کہ حضورؑ مطلق مسیح کی آمد سے انکار کر رہے ہیں۔ اور برق صاحب نے جو مسیح کی آمد کے

متعلق ص۱۹۱ پر جاکر حوالہ تلاش کیا ہے۔ اس کا ذکر تو حضورؑ نے اسی حوالہ کی اگلی دو تین سطروں میں فرما دیا ہے اتنی دُور جانے کی ضرورت ہی نہیں رکھی۔ حضورؑ اس عبارت سے جو پہلے درج ہو چکی ہے آگے فرماتے ہیں :۔

"اور جیسا کہ مسیح بن مریم نے حضرت موسٰی کے دین کی تجدید کی اور وہ حقیقت اور مغز توریت کا جس کو یہودی لوگ بھول گئے تھے ان پر دوبارہ کھول دیا۔ ایسا ہی وہ مسیح ثانی مثیلِ موسے کے دین کی جو جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تجدید کرے گا۔ اور یہ مثیلِ موسٰی کا مسیح اپنی سوانح میں اور اپنے دوسرے تمام نتائج میں جو قوم پران کی اطاعت یا ان کی سرکشی کی حالت میں مؤثر ہوں گے اس مسیح سے بالکل مشابہ ہوگا جو موسے کو دیا گیا تھا۔ اب جو امر کہ خدا تعالےٰ نے میرے پر منکشف کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ مسیح موعود میں ہی ہوں۔"
(ازالہ اوہام ص۳۰۳)

چونکہ برقؔ صاحب کی "سمجھ میں نہیں آتا کہ مرزا صاحبؑ کے دماغ کا ماتم کریں یا اُن لوگوں کی عقل کا جو آپ کو پیغمبر سمجھ بیٹھے ہیں" اس لئے ہم اپنے ناظرین کی خدمت میں بادب ملتمس ہیں کہ اگر ان میں سے کسی خدا ترس آدمی پر حقیقتِ حال منکشف ہوگئی ہے تو وہ برقؔ صاحب کو سمجھائیں کہ ان کو ماتم کرنے کے لئے کہیں دُور جانے کی ضرورت نہیں پہلے تو اپنے گھر میں ہی صفِ ماتم بچھالیں جس کے وہ چشم و چراغ ہیں۔ پھر اپنے کو مغز استادوں کا ماتم کریں جنہوں نے ایم۔ اے تک پڑھایا مگر کتاب پڑھنے کا ڈھنگ نہ بتلایا۔ اور پھر اس یونیورسٹی کا ماتم کریں جس نے آپ جیسے لایعقل کو ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کا ڈپلوما عطا فرمایا۔ اور اگر وہ ہمارا مشورہ نہیں تو ان سب کا ماتم کرنے کی بجائے خود اپنا ہی ماتم کرلیں جنہیں ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی ہو کر بھی معمولی اردو کی کتاب پڑھنے' اس کا مطلب سمجھنے اور منشائے متکلم سے آگاہ ہونے کا سلیقہ نہیں آیا۔

(۲۲) پھر ۲۲ کے ماتحت برقؔ صاحب نے لکھا ہے :۔

"میرا دعویٰ ہرگز مسیح موعود ہونے کا نہیں بلکہ مَیں مثیلِ مسیح ہوں یعنی حضرت مسیح کی بعض صفات مجھ میں پائی جاتی ہیں۔ جو شخص مجھے مسیح موعود کہتا ہے وہ مجھ پر افترا باندھتا ہے" (ازالہ ص۱۹۱)

اور اس پر حسب ذیل اعتراض کیا ہے :۔

"اب دیکھنا یہ ہے کہ غریب مرزا صاحب پر مسیح موعود ہونے کا افترا سب سے پہلے کس نے باندھا تھا۔ تاکہ اس کی خبر لی جاوے۔ یہ لیجئے مفتری مل گیا۔ افسوس کہ مر چکا ہے ورنہ قادیانی اس کی تکا بوٹی کرڈالتے۔"

اس کا سب سے پہلا جواب تو یہ ہے کہ چونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔ اذا جاءکم فاسق بنبا فتبینوا۔ اس لئے اسی ارشاد خداوندی کی تعمیل میں ہمیں ازالہ اوہام ص۱۹۰ سے اصل حوالہ دیکھنا چاہیئے۔ سو جب ہم ازالہ اوہام کا ص۱۹۰ نکالتے ہیں تو اس پر حسب ذیل عبارت لکھی ہوئی پاتے ہیں:۔

"میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں۔ جو شخص یہ الزام میرے پر لگاوے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے۔"

امید ہے اس مفتری اور کذاب کا پتہ لگانے اور دُنیا و آخرت میں اس کا مُنہ کالا کرنے کے لئے یہ حوالہ ہی کافی ہوگا۔ کسی مزید تشریح و توضیح کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس حوالہ میں یہ بات صاف طور پر لکھی ہوئی موجود ہے کہ حضور کو مسیح موعود کہنے والا مفتری اور کذاب نہیں بلکہ حضور کو مسیح ابن مریم کہنے والا مفتری اور کذاب ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے۔ مفتری اور کذاب تو وہ ہوتا ہے جو بار بار غلط بیانی کرے اور محض اعتراض کرنے اور خدا کی بے گناہ مخلوق کو ضلالت کے گڑھے میں گرانے کی خاطر ایسی بات دوسرے شخص کی طرف منسوب کرے جو اُس نے نہیں کہی۔ یا ایسا فعل ایک بے خبر بے گناہ کی طرف منسوب کرے جس کا اس نے ارتکاب نہیں کیا۔ پس برق صاحب سے بڑا مفتری اور کذاب اور کون ہو سکتا ہے۔

ہمارے ناظرین کو اگرچہ اس مفتری اور کذاب کا پتہ لگ گیا ہے تاہم ہمارا مشورہ یہی ہے کہ ان کی تکا بوٹی نہ کریں۔ کیونکہ سعدیؒ کہتا ہے۔

عدو زندہ سرگشتہ پیرامنت ٭ بہ از خون او گشتہ در دامنت

البتہ ہم یہ ضرور کہیں گے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے مندرجہ ذیل اشعار ضرور اِس مفتری اور کذاب کو سُنا دیں۔

لدیٰ وغلاً جهولاً وابن وغل ٭ یریٰ کالاعـ ـفات لظی اللسان

هریر الکلب لا یعثو بنبح ٭ علی البدر المطهر من عثان

اَلَا یا اَیُّھَا اللَّحِزُ الشَّحیحُ ÷ ھَوِیتَ کَذِی اللِّبَانَۃِ فِی الْھَوَانِ

اور حضورؑ کا یہ مشفقانہ مشورہ بھی اس کے گوش گزار کردیں ؎

اَطِعْ رَبَّکَ الْجَبَّارَ اَھْلَ الْاَوَامِرِ ÷ وَخَفْ قَھْرَہٗ وَاتْرُکْ طَرِیقَ التَّجَاسُرِ

وَلَیْفٌ عَلٰی نَادِ النَّھَابِرِ تَصْبِرُ ÷ وَاَنْتَ تَاَذّٰی عِنْدَ حَرِّ الْھَوَاجِرِ

وَحُبُّ الْھَوٰی وَاللّٰہِ صِلٌّ مُدَمِّرٌ ÷ کَمَلْمَسِ اَفْعٰی نَاعِمٍ فِی النَّوَاظِرِ

فَلَا تَحْتَرِ الطُّغْوٰی فَاِنَّ اِلٰھَنَا ÷ غَیُورٌ عَلٰی حُرُمَاتِہٖ غَیْرُ قَاصِرِ

وَلَا تَحْسَبَنْ ذَنْبًا صَغِیْرًا کَھَیِّنٍ ÷ فَاِنَّ وِدَادَ اللَّمَمِ اِحْدَی الْکَبَائِرِ

(۲۳) پھر برقؔ صاحب لکھتے ہیں:۔

"حضرت مسیحؑ اپنے والد یوسف کے ساتھ نجاری کا کام کرکے چڑیاں بنایا کرتا تھا۔" (ازالہ ص۳۰۳) اور اسی کتاب کے ص۳۰۳ پر اپنا ایک شعر درج کرتے ہیں جس میں مسیحؑ کو بے پدر باندھتے ہیں ؎

کرمکے بودم مرا کردی بشر ÷ اے عجب تراز مسیحِ بے پدر

نیز ملاحظہ ہو ازالہ ص۱۵۹"

اور پھر اس پر بالفاظِ ذیل معترض ہوتے ہیں:۔

"اب مرزا بشیر الدین ہی بتائیں کہ ان کے والد ماجد کے اِن اقوال میں تطبیق پیدا کرے تو کون؟ اگر پیغمبر کی تعریف یہی ہوتی ہے کہ وہ صبح کی کہی ہوئی بات کی شام تک دس مرتبہ تردید اور دس مرتبہ تصدیق کرے تو پھر واقعی مرزا صاحبؑ بہت بڑے پیغمبر تھے"

اِس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اگر کسی لاعلاج مرض سے آپ کی بینائی ماری نہیں گئی، اور نزول الماء سے آپ کی نظر بند نہیں ہوگئی تو ازالہ اوہام کا ص۳۰۳ نکال کر دیکھیں کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھئے لکھا ہے:۔

"حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدت تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں"

آپ نے اعتراض کرنے کی خاطر یہود نامسعود کے خصوصی عیب کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابن مریم کا لفظ حوالہ سے عمداً نکال دیا ہے۔ تا حضورؑ کے دو کلاموں میں افترام کے طور پر تضاد ظاہر کرکے

مخلوقِ خدا کو دھوکا دے سکیں جو نہایت ہی قابلِ شرم بلکہ ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ البتہ آپ یہ اعتراض کرسکتے تھے کہ جب آپؑ نے مسیح کو ابن مریم لکھا تو پھر یوسف کو اُن کا باپ کیوں قرار دیا؟ آیئے اس کی وجہ ہم بتلائیں۔ انجیل متی ب۱ آیت ۱۸ تا ۲۲ میں لکھا ہے۔

"اب یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی۔ کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوگئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ پس اس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا۔ اور اُسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا چپکے سے اُس کے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ اِن باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتہ نے اُسے خواب میں دکھائی دیکر کہا۔ اے یوسف ابن داؤد اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر۔ کیونکہ جو اُس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔ وہ بیٹا جنے گی اور تُو اُس کا نام یسوع رکھنا۔"

آیا خیال شریف میں! حضورؑ نے یوسف کو حضرت مسیح کا باپ اس لئے قرار دیا ہے کہ وہ اُن کی ماں کا خاوند تھا۔ نہ اِس لحاظ سے کہ وہ ان کی صُلب سے اور اُن کے نطفہ سے تھا۔ آپ کے شہر میں اگر کوئی بیوہ عورت جس کے پہلے خاوند سے بچے ہوں دوسرا نکاح کرے تو اس کا دوسرا خاوند اس کے پہلے بچوں کا باپ نہیں کہلاتا؟ اگر کہلاتا ہے تو پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتراض کرتے ہوئے کچھ تو شرم وحیا سے کام لیں۔ ایسا اعتراض کیوں کرتے ہیں جس کی زد آپ پر بھی پڑتی ہے۔

آپ بار بار حضورؑ کے کلام میں تناقض ثابت کرنیکی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ اور قدم قدم پر آپ کو شرمندگی اور ندامت کا سامنا ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ آپ کو معلوم نہ ہو کہ تناقض کن صورتوں میں متحقق ہوتا ہے اور کن صورتوں میں نہیں۔ سو آپ کی واقفیت کیلئے عرض خدمت کیا جاتا ہے کہ دو کلاموں میں تناقض اِس صورت میں متحقق ہوسکتا ہے جبکہ (۱) اعتبار (۲) موضوع (۳) اوقات (۴) مکان اور (۵) شرائط کے لحاظ سے ان میں وحدت پائی جائے۔ اور اگر وحدت متحقق نہ ہو بلکہ ہر دو کلام اعتبار، موضوع، اوقات، مکان، اور شرائط کے لحاظ سے مختلف ہوں تو کلام میں ہرگز تناقض متحقق نہ ہوگا۔ مثلاً (۱) زید مُردہ ہے (باعتبار روحانی حیات کے) اور زید زندہ ہے (باعتبار جسمانی حیات کے) اِن دونوں فقروں میں

کچھ اختلاف اور تناقض نہیں کیونکہ اعتبار الگ الگ ہیں۔ (۲) یہ کہنا کہ زید جو خالد کا بیٹا ہے بہت شریر ہے۔ اور یہ کہنا کہ زید جو ولید کا بیٹا ہے بہت نیک آدمی ہے۔ ان دونوں فقروں میں کوئی تناقض نہیں۔ کیونکہ موضوع یعنی جن اشخاص کا ذکر ہے وہ الگ الگ ہیں۔ ایسا ہی یہ کہنا کہ (۳) زید صبح کے وقت جنگل میں تھا۔ اور یہ کہنا کہ زید شام کے وقت گھر میں تھا۔ ان دونوں فقروں میں بھی کوئی تناقض نہیں۔ کیونکہ اوقات مختلف ہیں۔ اسی طرح (۴) زید بغداد میں کبھی نہیں گیا اور زید دمشق میں گیا تھا۔ ان دونوں فقروں میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ مکان مختلف ہیں۔ اسی طرح (۵) زید کوئیں دو روپیہ مزدوری دوں گا بشرطیکہ وہ سارا دن کام کرے۔ اور زید کو میں آٹھ آنے مزدوری دوں گا بشرطیکہ وہ ایک گھنٹہ کام کرے۔ اس فقرہ میں بھی کوئی تناقض اور تضاد نہیں کیونکہ شرائط مختلف ہیں۔" (چشمہ معرفت ص۱۸۵)

پس آپ ذرا ہوش سے متوجہ ہو کر سنیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں ہے۔ حضور نے مسیح ابن مریم کو بے باپ کہا اس لحاظ سے کہ وہ روح القدس کی قدرت سے پیدا ہوا تھا۔ اور یوسف کو حضرت مسیح کا باپ قرار دیا اس اعتبار سے کہ یوسف مسیح کی والدہ حضرت مریم کا خاوند تھا۔ اور شعر جو آپ نے نقل کیا ہے میرا خیال ہے کہ ضعف بصارت کی وجہ سے آپ کو اچھی طرح دکھائی نہیں دیا ورنہ اصل کتاب میں وہ اس طرح لکھا ہوا ہے ؎

کرکے بودم مرا کردی بشر * من عجب تر از مسیح بے پدر

(۲۵) پھر برق صاحب نے لکھا ہے :-

"..... ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیّٖن۔ یہ آیت صاف بتاتی ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی دُنیا میں نہیں آئے گا۔ کیونکہ رسول کی حقیقت اور ماہیت میں یہ امر داخل ہے کہ وہ علوم دینی جبرائیل کے ذریعے حاصل کرے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وحی الٰہی تاقیامت منقطع ہے۔" (ازالہ ص۶۱۴)

"مرزا صاحب ثابت یہ کر رہے ہیں کہ حضرت عیسٰے دوبارہ نہیں آسکتے ورنہ وحی کا سلسلہ پھر شروع ہو جاوے گا۔ حالانکہ آیۂ بالا کی رو سے وحی قیامت تک منقطع ہو چکی ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ازالہ اوہام ص۷۶۱"

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ تحریف کا خصوصی عیب آپ کی طبیعت ثانیہ ہو چکا ہے اسلئے

آپ قابلِ اعتراض امر نہ بھی ہو تب بھی اُسے قابلِ اعتراض بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ ص۶۱۴ کے حوالہ میں آپ نے تحریف سے کام لیکر وحی رسالت کی بجائے وحی الٰہی کا لفظ رکھ لیا ہے۔ تا حوالہ آپ کے مفید مطلب ہو جاوے۔ حالانکہ حضور علیہ السلام کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

"اس سے بھی بکمال وضاحت ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ دُنیا میں نہیں آ سکتا۔ کیونکہ مسیح ابن مریم رسول ہے اور رسولوں کی حقیقت و ماہیت میں یہ امر داخل ہے کہ دینی علوم کو بذریعہ جبرائیل حاصل کریں۔ اور ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ اب وحی رسالت تا بقیامت منقطع ہے۔"

اور ص۶۱۵ جس کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے کہ مزید تفصیل کے لئے اسے دیکھا جائے اس سے پہلے دو صفحے جو آپ کے ان خیالات کی بیخ کنی کرنے والے ہیں۔ اور جن کو آپ نے عمداً چھوڑ دیا ہے ان کی طرف ہم آپ کی اور اپنے خدا ترس ناظرین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ ضرور توجہ فرمائیں۔ ہم ذیل میں اصل عبارت ان صفحات کی تحریر کرتے ہیں:۔

"اور اس انقلاب عظیم پر خوب غور سے نظر دوڑانی چاہئے کہ چونکہ حضرت مسیح (اگر ان کا نزول فرض کر لیا جائے) ایسی حالت میں آئیں گے کہ ان کو شریعتِ محمدیہ سے جو غیر زبان میں ہے کچھ بھی خبر نہیں ہوگی۔ اور وہ اس بات کے محتاج ہوں گے کہ قرآنی تعلیم پر ان کو اطلاع ہو۔ اور ان تفصیلات احکام دین پر بھی مطلع ہو جائیں جو احادیث کی رو سے معلوم ہوتے ہیں۔ غرض شریعتِ محمدیہ کے تمام اجزاء پر خواہ وہ از قبیلِ عقائد ہیں یا از قسم عبادات یا از نوع معاملات یا از قبیلِ قوانین قضاء و فصل مقدمات اطلاع پانا ان کے لئے ضروری ہوگا۔ اور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ معمر ہونے کی حالت میں ایک عمر خرچ کر کے دوسروں کی شاگردی کریں۔ لہٰذا ان کے لئے یہی لابدی اور ضروری ہے کہ جمیع اجزاء شریعت کے نئے سرے سے اُن پر نازل ہوں کیونکہ بجز اس طریق کے استعلام مجہولات کے لئے اور کوئی ان کے لئے راہ نہیں۔ اور رسولوں کی تعلیم اور اعلام کیلئے یہی سُنت اللہ قدیم سے جاری ہے۔ جو وہ بواسطہ جبرائیل علیہ السلام کے اور بذریعہ نزول آیات ربانی اور کلام رحمانی کے سکھلائی جاتی ہیں۔ اور جبکہ تمام قرآن کریم اور احادیث صحیحہ نبویہ نئے سرے سے معرفت جبرائیل علیہ السلام

کے حضرت مسیح کی زبان میں ہی ان پر نازل ہوجائے گی - اور جیسا کہ احادیث میں آتا ہے جزیہ وغیرہ کے متعلق بعض بعض احکام قرآن شریف کے منسوخ بھی ہوجائینگے تو ظاہر ہے کہ اس نئی کتاب کے اُترنے سے قرآن شریف توریت وانجیل کی طرح منسوخ ہوجاوے گا اور مسیح کا نیا قرآن جو قرآن شریف سے کسی قدر مختلف بھی ہوگا اجرا اور نفاذ پائے گا - اور حضرت مسیح نماز میں اپنا قرآن ہی پڑھیں گے اور وہی قرآن جبراً و قہراً دوسروں کو بھی سکھلایا جاوے گا - اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کلمہ بھی لا الٰہ الّا اللہ محمد رسول اللہ کسی قدر ترمیم و تنسیخ کے لائق ٹھہرے گا - کیونکہ جب کہ کل شریعت محمدیہ کی نعوذ باللہ (نقل کفر کفر نہ باشد) بیخ کنی ہوگی اور ایک اور ہی قرآن گو وہ ہمارے قرآن کریم سے کسی قدر مطابق ہی سہی آسمان سے نازل ہوگیا تو پھر کلمہ بھی ضرور واجب التبدیل ہوگا - بعض بہت منفعل ہوکر جواب دیتے ہیں (برق صاحب جیسے) کہ اگرچہ درحقیقت یہ صریح خرابیاں ہیں جن سے انکار نہیں ہوسکتا مگر کیا کریں درحقیقت اسی بات پر اجماع ہوگیا ہے کہ حضرت مسیح رسول اللہ ہونے کی حالت میں نزول فرمائیں گے اور چالیس برس حضرت جبرائیل علیہ السلام ان پر نازل ہوتے رہیں گے - چنانچہ یہی مضمون حدیثوں سے بھی نکلتا ہے - اس کے جواب میں مَیں کہتا ہوں کہ اس قدر تو بالکل سچ ہے کہ اگر وہی مسیح رسول اللہ صاحب کتاب آجائیں گے جن پر جبریل نازل ہؤا کرتا تھا تو وہ شریعت محمدیہ کے تمام قوانین اور احکام نئے سرے اور نئے لباس اور نئے پیرایہ اور نئی زبان میں ان پر نازل ہوجائیں گے - اور اس تازہ کتاب کے مقابل پر جو آسمان سے نازل ہوئی ہے قرآن کریم منسوخ ہوجائے گا - لیکن خدا تعالےٰ ایسی ذلت اور رسوائی اِس اُمت کے لئے اور ایسی ہتک اور کسر شان اپنے نبی مقبول خاتم الانبیاءؐ کے لئے ہرگز روا نہیں رکھے گا - کہ ایک رسول کو بھیج کر جس کے آنے کے ساتھ جبریل کا آنا ضروری امر ہے اسلام کا تختہ ہی اُلٹ دیوے - حالانکہ وہ وعدہ کرچکا ہے کہ بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول نہیں بھیجا جائیگا۔

اور حدیثوں کے پڑھنے والوں نے یقیناً یہ بڑی بھاری غلطی کھائی ہے کہ صرف عیسیٰ یا ابن مریم کے لفظ کو دیکھکر اس بات کو یقین کر لیا ہے کہ سچ مچ وہی ابن مریم آسمان سے نازل ہو جائے گا جو رسول اللہ تھا۔ اور اس طرف خیال نہیں کیا کہ اس کا آنا گویا دین اسلام کا دنیا سے رخصت ہونا ہے۔"

اس سارے حوالہ کو پڑھ لینے سے ہمارے ناظرین پر بخوبی واضح ہوگیا ہوگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مسیح ابن مریم رسول اللہ کا نزول کس لحاظ سے اُمت کی رُسوائی، رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک اور اسلام کی بربادی کا موجب بیان فرما رہے ہیں۔ حضور کے اس طویل حوالہ کا مفہوم مختصراً یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی رسالت تا قیامت بند ہے نہ کہ مطلق وحی الٰہی۔ مسیح ابن مریمؑ نازل نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ رسول اللہ ہیں۔ اور رسول اللہ پر وحی رسالت کا نزول بذریعہ جبرئیل ضروری ہے۔ اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ مسیح ابن مریم کے نزول کے بعد شریعت اسلامیہ اور کلمہ تبدیل ہو جائے اور موجودہ قرآن کریم منسوخ ہو جاوے۔ اور یہ سب باتیں ایسی ہیں جو اسلام کی جڑ پر تبر رکھنے والی ہیں۔ ان باتوں سے سوائے کسی دشمن اسلام کے اور کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ مگر برق صاحب لوگوں کو اس دھوکہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ کہ وہ مسیح جو اسی اُمت میں سے ہوگا اور جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق نبی اللہ ہوگا اور جس کا حضرت مرزا صاحبؑ نے دعوے فرمایا ہے اس کا آنا بھی اسلام کی بیخ کنی کا موجب ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ثابت یہ فرما رہے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں نبوت کا دعوے اسلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان کو چار چاند لگانے والا ہے نہ کہ گھٹانے والا۔

کیونکہ اس طرح حضورؐ ابوالانبیاء ثابت ہوتے ہیں اور ابوالانبیاء ہونا خوبی کی بات ہے نہ کہ قابل اعتراض۔ پس برق صاحب کا یہ کہنا کہ مرزا صاحبؑ ایسے نبی ہیں جو اُمت کیلئے باعث ذلت و رسوائی، نبی مقبول کے لئے باعث ہتک و کسر شان اور اسلام کا تختہ اُلٹ دینے والا ہے کج فہمی کی انتہا ہے۔

(۲۶) پھر برق صاحب نے لکھا ہے:۔

"...میں مثیل مسیح ہوں (ازالہ صفحہ ۱۹۰) مطلب یہ کہ مرزا صاحبؑ میں حضرت مسیح

کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ حضرت مسیحؑ میں کونسے اوصاف پائے جاتے تھے اس کی تفصیل مرزا صاحبؑ سے سُنئے۔

ا۔"معجزات میں حضرت مسیح سے یہودی بہت آگے بڑھے ہوئے تھے۔"
(ازالہ ص ۵۵۴)

ب۔"مسمریزم ایک مکروہ وقبیح فعل ہے جسے میں بُرا سمجھتا ہوں ورنہ حضرت مسیح سے بڑھ جاتا۔" (ازالہ ص ۲۹)

ج۔"ازالہ اوہام ص ۳۰۳ پر آپ نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت مسیح (صاکم بدہن) بدکاری کا نتیجہ تھے۔"

د۔"حضرت مسیح کا میل جول کنجریوں سے رہا کرتا تھا اور وہ شرابی بھی تھے" (ازالہ ص ۹)

ہ۔"مسیح ایک نکما اور ضعیف انسان تھا۔ روحانیت اور دین کا اس میں نام تک نہ تھا۔ جھوٹا خالق تھا۔ دوسروں کے دلوں کو سیاہ کرتا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ فیل ہوا۔"
(ازالہ ص ۳۱۰)

اس کے بعد با الفاظِ ذیل معترض ہیں:۔

"تو یہ ہے وہ مسیح جس کے مثیل ہونے پر مرزا صاحبؑ کو ناز ہے۔ ان حوالوں سے آپ نے یہ بھی اندازہ لگالیا ہوگا کہ جو شخص ایک اولوالعزم رسول کے متعلق اس دریدہ دہنی سے کام لیتا ہے نبوت تو رہی ایک طرف اس کی انسانیت کس درجہ کی تھی۔ ستیارتھ پرکاش کے خلاف آواز بلند کرنے والوں کو مکتبۂ قادیان کی طرف بھی توجہ دینی چاہئے کہ یہاں انبیاء ورسل کی تحقیر واستخفاف کا اس قدر مواد ملے گا جس کے سامنے ستیارتھ پرکاش بھی شرما جائے گی۔"

اِس کا سب سے پہلا جواب تو یہ ہے کہ آپ نے اِن تمام حوالجات میں دل کھول کر چارسوبیس کا ارتکاب کیا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ خدا کی ہستی پر آپ کو اتنا ایمان بھی نہیں جتنا تعزیراتِ ہند پر۔ کیونکہ تعزیراتِ ہند والی چارسوبیس کا تو آپ ایک مرتبہ بھی ارتکاب کرتے ہوئے ڈرتے ہیں مگر قرآنی تعزیرات کی بیان فرمودہ چارسوبیس کا آپ کھلے بندوں اور بیدھڑک ارتکاب کر رہے ہیں۔ اور اس سے شرم وحیا محسوس کرنا تو ایک طرف اُلٹا اس پر اترا رہے ہیں۔ آیئے آپ کے بیان کردہ فقرات کا اصل حوالجات سے مقابلہ کریں۔

(۱) "معجزات میں حضرت مسیح سے یہودی بہت آگے بڑھے ہوئے تھے۔" (ازالہ ص۵۵۳)

(۱) "بائیبل کی کتابوں کو پڑھنے والے خوب جانتے ہیں کہ جو خوارق مسیح کی طرف منسوب کئے گئے ہیں یعنی مُردوں کا زندہ کرنا، بیماروں کو اچھا کرنا یہ مسیح سے مخصوص نہیں ہے بلکہ بعض نبی اسرائیل ایسے بھی گزرے ہیں کہ ان سب کاموں میں حضرت مسیح ابن مریم کے برابر بلکہ اس سے بھی آگے بڑھے ہوئے تھے لیکن پھر بھی ان کو مثیل مسیح نہیں کہا جاتا۔ نہ مسیح کو ان کا مثیل ٹھہرایا جاتا ہے۔"

ظاہر ہے کہ یہ حضرت اقدسؑ کا اپنا عقیدہ نہیں کہ معجزات میں یہودی مسیح سے بہت آگے بڑھے ہوئے تھے بلکہ یہ عقیدہ یہود نامسعود کا تھا۔ اسی لئے جو لوگ مثیل مسیح ہونے کی وجہ سے حضورؑ سے اسی قسم کے معجزات کا مطالبہ کرتے تھے جیسا کہ پادریوں نے امرتسر کے مباحثہ میں کیا تھا ان کو حضورؑ یہ جواب دے رہے ہیں۔ کہ مماثلت علتِ غائی میں ہوتی ہے نہ کہ زمانی افعال میں۔ اور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی علتِ غائی حضورؑ کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:-

"بلکہ سچ تو یہ ہے کہ مسیح کا آنا اس لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے کہ تا تمام قوموں پر دین اسلام کی سچائی کی حجت پوری کرے۔" اور کہ "اسلام کو غلطیوں اور الحاقات بیجا سے منزہ کرکے وہ تعلیم جو روح اور راستی سے بھری ہوئی ہے خلق اللہ کے سامنے رکھے۔" اور تا "ایمانی نور کو دنیا کی تمام قوموں کے مستعد دلوں کو بخشے اور منافقوں کو مخلصوں سے الگ کر دیوے۔" (ازالہ اوہام ص۲۷۱)

اور اس میں کیا شک ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی توریت کی تعلیم کے قیام کے لئے اور رُوحانی مُردوں کو زندہ کرنے کے اور روحانی اندھوں اور بہروں کو آنکھیں اور کان بخشنے کیلئے تشریف لائے تھے نہ کہ مداریوں کی طرح تماشہ دکھلانے کے لئے۔

(۲) "مسمریزم ایک مکروہ و قبیح فعل ہے جسے میں بُرا سمجھتا ہوں ورنہ حضرت مسیح

(۲) "اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابلِ نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالیٰ کے فضل و

بڑھ جاتا ہے" (ازالہ ص۳)

توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان عجوبہ نمائیوں میں حضرت مسیح ابن مریم سے کم نہ رہتا لیکن مجھے وہ روحانی طریق پسند ہے جس پر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے قدم مارا۔ حضرت مسیح نے بھی اس عمل جسمانی کو یہودیوں کے جسمانی اور پست خیالات کی وجہ سے جو ان کی فطرت میں مرکوز تھے باذن وحکم الٰہی اختیار کیا تھا ورنہ دراصل مسیح کو بھی یہ عمل ناپسند تھا۔"

اس پر آپ کو کیا اعتراض ہے۔ اگر ہے تو پیش کریں۔

(۳) "ازالہ اوہام ص۳ پر آپ نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت مسیح (عاکم بدہن) بدکاری کا نتیجہ تھے۔"

یہ حوالہ نہ صرف یہ کہ ازالہ اوہام کے ص۳ پر نہ لفظاً موجود ہے اور نہ معناً بلکہ حضور کی کسی کتاب میں بھی ان الفاظ اور ان معنوں میں نہیں ہے۔ اور جو کہے کہ ہے اس پر خدا کی لعنت اور برائے خدا اے مومنو مسلمانو! تم سب کہو آمین۔ اور اگر ہمت ہو تو برق صاحب بھی اس پر آمین کہیں۔ اور اگر نہ کہہ سکیں تو وہ بھی خود کو اس انعام کا مستحق سمجھیں۔

(۴) "حضرت مسیح کا میل جول کنجریوں سے رہا کرتا تھا اور وہ شرابی بھی تھے۔" (ازالہ ص۹۰)

ہمارے ناظرین ازالہ اوہام کا ص۹۰ ایک بار نہیں ہزار بار نکال کر دیکھیں یہ حوالہ نہ اس صفحہ پر اور نہ اس سے دو چار صفحے آگے نہ پیچھے ان کو ہرگز نہیں مل سکتا۔ فرمائیے کیا اسکا نام تعزیرات ہند میں ۴۲۰ نہیں؟

اور اگر برق صاحب یہ کہیں کہ گو یہ حوالہ ازالہ اوہام میں تو نہیں مگر فلاں کتاب میں ہے تو پھر ہم اور برق صاحب بقول ان کے متفق ہو گئے کہ

"دروغگو را حافظہ نباشد"

اور اگر وہ اصرار کریں کہ ازالہ اوہام میں اگر یہ حوالہ نہیں تو کیا ہوا دوسری کتاب میں تو موجود ہے تو انہیں یہ عبارت پڑھ لینی چاہئے:۔

"یہ ہماری رائے اس یسوع کی نسبت ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور پہلے نبیوں کو چور اور بٹمار کہا۔ اور خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت بجز اس کے کچھ نہیں کہا کہ میرے بعد جھوٹے نبی آئیں گے۔ ایسے یسوع کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔"

اور اگر آپ اس تصریح کے باوجود اور ارشاد باری تعالےٰ من یّقل منھم انّی الٰہ فذالک نجزیہ جھنّم کی نص صریح کے ہوتے ہوئے بھی اسی یسوع مسیح کی حمایت کرنا چاہتے ہیں تو پھر علانیہ اپنی عیسائیت کا اظہار فرمایئے!

برق صاحب حضور علیہ السلام کی طرف حسب ذیل عبارت منسوب کرتے ہیں:۔

(۵) "مسیح ایک نکما اور ضعیف انسان تھا۔ روحانیت اور دین کا اس میں نام تک نہ تھا۔ جھوٹا خالق تھا۔ دوسروں کے دلوں کو سیاہ کرتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ وہ فیل ہوا" (ازالہ ص۳۱)

اس کے جواب میں پہلے تو ہم لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہتے ہیں اور برق صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ وہ اس پر دل وجان سے آمین کہیں۔

پھر ناظرین کی خدمت میں التماس کرتے ہیں کہ وہ ازالہ اوہام کا ص۳۱ نکال کر پڑھیں اس میں ہرگز ہرگز یہ الفاظ نہیں ہیں اور نہ ہی یہ مفہوم ہے۔ ہم ناظرین کی خداترسی اور دیانت وامانت سے اپیل کریں گے کہ وہ مسیح کے متعلق حضرت اقدسؑ کے ان واضح اور روشن بیانات کو بغور پڑھیں۔ جو ہم جواب ۱۲ کی ذیل میں تحریر کریں گے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان حوالجات میں آپ نے اپنی دیانت وامانت کا بے دریغ خون کرکے عوام کالانعام کو قبولِ حق کی دولت سے محروم رکھنے کی کوشش کو گویا انتہاء تک پہنچا دیا ہے۔ اور ممکن ہے اپنے دل میں آپ نے یہ بھی خیال کر لیا ہو کہ اس طرح آپ اس بہشتی درخت کو جسے خدا نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے جڑھ بنیاد سے اکھیڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور اپنے منہ کی ان پھونکوں سے اس روشن چراغ کو گل کر دیں گے جو لوگوں کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالےٰ نے آسمان پر روشن کیا ہے۔ پس اگر آپ کو پہلے معلوم نہ ہو تو اب آئندہ کے لئے اسے نوٹ فرما لیجئے اور یادداشت کے طور پر یہ تحریر اپنے کسی محفوظ ترین صندوق میں رکھ لیجئے کہ اُس وقت جبکہ اس درخت کی کونپل زمین سے نکل رہی تھی مولوی محمد حسین

بٹالوی، مولوی محمد اسماعیل علی گڑھی، مولوی غلام دستگیر قصوری، سعد اللہ لدھیانوی، مولوی نذیر حسین دہلوی، لیکھرام پشاوری اور عبد اللہ آتھم اور ان کے مددگار اور پیرو کار مسلمانوں، ہندوؤں اور عیسائیوں نے اسے تباہ و برباد کرنے کے لئے ایڑی چوٹی تک کا زور صرف کر دیا تھا اور سب نے اپنی زندگیاں اسی کام کے لئے وقف کر دی تھیں۔ مگر ؎

شریروں پر پڑے انکے شرارے ✦ نہ ان سے رُک سکے مقصد ہمارے
مقابل میں مرے یہ لوگ ہارے ✦ کہاں مرتے تھے پر تُونے ہی مارے
گرائے میں تُونے سب دشمن اتارے ✦ ہمارے کر دیئے اونچے منارے
انہیں ماتم ہمارے گھر میں شادی ✦ فسبحان الذی اخزی الاعادی

سب کی تدبیریں ہباءً منثورا ہو گئیں۔ اور وہ سب کے سب ناکامی و نامرادی کا داغ اپنے اپنے سینوں میں لے کر پیوندِ زمین ہو گئے۔ لیکن اس کو تو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے البتہ ان کی تدبیر اس سلسلہ کے لئے ہمیشہ کھاد کا کام دیتی رہیں۔ پس اگر آپ عقل و خرد سے کچھ حصہ رکھتے ہیں تو اپنے بزرگوں کی ناکامی و نامرادی سے عبرت حاصل کریں۔ ورنہ آپ بھی سُن رکھیں کہ جب یہ نرم و نازک کونپل ہونے کی حالت میں اُس وقت آپ کے بزرگوں سے نہ اکھڑ سکی تو آج جبکہ بقول مولوی ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر اخبار زمیندار "یہ ایک تناور درخت ہو چلا ہے جس کی شاخیں ایک طرف چین میں اور دوسری طرف یورپ میں پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں" اس کو اکھیڑنا آپ کے ہی نہیں کسی انسان کے بھی بس کی بات نہیں ہے۔ اس کے متعلق حضورؑ کی تحدیانہ پیشگوئی سُن رکھیں:۔

"مخالف لوگ عبث اپنے تئیں تباہ کر رہے ہیں۔ مَیں وہ پودا نہیں ہوں کہ اُن کے ہاتھ سے اُکھڑ سکوں۔ اگر اُن کے پہلے اور اُن کے پچھلے اور اُن کے زندے اور اُن کے مُردے تمام جمع ہو جائیں اور میرے مارنے کے لئے دُعائیں کریں۔ تو میرا خدا ان تمام دُعاؤں کو لعنت کی شکل پر بنا کر اُن کے مُنہ پر مارے گا۔ دیکھو صدہا دانشمند آدمی آپ لوگوں کی جماعت میں سے نکل کر ہماری جماعت میں ملتے جاتے ہیں۔ آسمان پر ایک شور برپا ہے اور فرشتے پاک دلوں کو کھینچ کر اس طرف لا رہے ہیں۔ اب اس آسمانی کارروائی کو کیا انسان روک سکتا ہے بھلا اگر کچھ طاقت ہے تو روکو۔ وہ تمام مکر و فریب جو نبیوں کے مخالف کرتے رہے

ہیں وہ سب کرو۔ اور کوئی تدبیر اُٹھا نہ رکھو۔ ناخنوں تک زور لگاؤ۔ اتنی بددُعائیں کرو کہ موت تک پہنچ جاؤ۔ پھر دیکھو کہ کیا بگاڑ سکتے ہو۔ خدا کے آسمانی نشان بارش کی طرح برس رہے ہیں۔ مگر بدقسمت انسان دُور سے اعتراض کرتے ہیں۔ جن دلوں پر مُہریں ہیں اُن کا ہم کیا علاج کریں۔ اے خدا تُو اِس اُمّت پر رحم کر۔ آمین" (ضمیمہ اربعین ۳،۴ ص ۷)

اور سُنیئے! :-

"مَیں جانتا ہوں کہ خدا تعالےٰ میرے ساتھ ہے۔ اگر مَیں پیسا جاؤں اور کچلا جاؤں اور ایک ذرّے سے بھی حقیر تر ہو جاؤں۔ اور ہر ایک طرف سے ایذا اور گالی اور لعنت دیکھوں تب بھی مَیں آخر فتحیاب ہوں گا۔ مجھ کو کوئی نہیں جانتا مگر وہ جو میرے ساتھ ہے۔ مَیں ہرگز ضائع نہیں ہو سکتا۔ دشمنوں کی کوششیں عبث ہیں اور حاسدوں کے منصوبے لاحاصل۔

اے نادانو اور اندھو! مجھ سے پہلے کونسا صادق ضائع ہوا۔ جو مَیں ضائع ہو جاؤں۔ کس سچے وفادار کو خدا نے ذلّت کے ساتھ ہلاک کر دیا۔ جو مجھے ہلاک کر دے گا۔ یقیناً یاد رکھو اور کان کھول کر سنو۔ کہ میری روح ہلاک ہونے والی روح نہیں۔ اور میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں۔ مجھے وہ ہمّت اور صدق بخشا گیا ہے جس کے آگے پہاڑ ہیچ ہیں۔ مَیں کسی کی پرواہ نہیں رکھتا۔ مَیں اکیلا تھا اور اکیلا رہنے پر ناراض نہیں۔ کیا خدا مجھے چھوڑ دے گا۔ کبھی نہیں چھوڑیگا کیا وہ مجھے ضائع کر دے گا۔ کبھی نہیں ضائع کرے گا۔ دشمن ذلیل ہوں گے اور حاسد شرمندہ۔ اور خدا اپنے بندہ کو ہر میدان میں فتح دے گا مَیں اس کے ساتھ وہ میرے ساتھ کوئی چیز ہمارا پیوند نہیں توڑ سکتی۔" (انوار الاسلام ص ۲۱، ۲۲)

تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف جو صفات یہود و نصاریٰ نے اپنے خبثِ باطن کی وجہ سے منسوب کی تھیں آپ نے بھی وہی صفات حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کر دی ہیں۔ اور باوجودیکہ اسی ازالہ اوہام میں یہ عبارت بھی لکھی ہوئی موجود ہے:

"حضرت عیسےٰ ابن مریم ایسے خلیفۃ اللہ تھے کہ ظاہری عنانِ حکومت اُنکے

ہاتھ میں نہیں آئی تھی۔ اور سیاست ملکی اور اس دُنیوی بادشاہی سے ان کو کچھ علاقہ نہیں تھا۔ اور دُنیا کے ہتھیاروں سے وہ کچھ کام نہیں لیتے تھے بلکہ اُس ہتھیار سے کام لیتے تھے جو ان کے انفاس طیبہ میں تھا یعنی اس موجہ بیان سے جو اُن کی زبان پر جاری کیا گیا تھا جس کے ساتھ بہت سی برکتیں تھیں۔ اور جس کے ذریعہ سے وہ مرے ہوئے دلوں کو زندہ کرتے تھے۔ اور بہرے کانوں کو کھولتے تھے۔ اور مادرزاد اندھوں کو سچائی کی روشنی دکھا دیتے تھے۔ ان کا وہ دم ازلی کافر کو مارتا تھا۔ اور اس پر پوری حجت کرتا تھا لیکن مومن کو زندگی بخشتا تھا۔ وہ بغیر باپ کے پیدا کئے گئے تھے۔ اور ظاہری اسباب اُن کے پاس نہیں تھے۔ اور ہر بات میں خدا تعالیٰ اُن کا متولی تھا۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۲۷)

مگر آپ کو عداوت میں اندھے ہو جانے کی وجہ سے یہ تو نظر نہیں آئی مگر جو سطور ر۔ یوز آسعود کے حوالہ سے بطور الزام خصم لکھی گئی تھیں وہ بخوبی نظر آ گئیں۔

جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بار بار فرمایا ہے کہ:۔

(۱) "ہم لوگ جس حالت میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا سچا نبی اور نیک اور راستباز مانتے ہیں تو پھر کیونکر ہماری قلم سے ان کی شان میں سخت الفاظ نکل سکتے ہیں۔" (کتاب البریہ صفحہ ۹۳)

(۲) "ہماری قلم سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نسبت جو کچھ خلاف شان اُن کے نکلا ہے وہ الزامی جواب کے رنگ میں ہے اور وہ دراصل یہودیوں کے الفاظ ہم نے نقل کئے ہیں۔" (چشمہ مسیحی مقدمہ صفحہ ب)

(۳) "ہم اس بات کے لئے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا سچا اور پاک اور راستباز نبی مانیں۔ اور اُن کی نبوت پر ایمان لائیں۔ سو ہماری کسی کتاب میں کوئی ایسا لفظ بھی نہیں ہے جو ان کی شان بزرگ کے برخلاف ہو۔ اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ دھوکہ کھانے والا اور جھوٹا ہے۔" (ایام الصلح ٹائیٹل پیج صفحہ ۲)

(۴) موسیٰ کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا۔ اور محمدی سلسلہ میں مَیں مسیح موعود ہوں۔ سو مَیں اس کی عزت کرتا ہوں جس کا ہمنام ہوں اور

مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔" (کشتی نوح صفحہ ۱۶)

تو پھر ان واضح عبارات اور روشن بیانات کو چھپانا اور جو عبارات حکایتاً عن الیہود لکھی گئی ہیں ان کو عوام کے سامنے لانا اسی کا نام تو دھوکا دہی ہے جس کا آپ بار بار ارتکاب کر رہے ہیں۔

چوتھا جواب یہ ہے۔ کہ یہ طریق خطاب محض الزام خصم کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔ اور وہ بھی ان کے فرضی مسیح کے لئے۔ جیسا کہ حضور پادری فتح مسیح کو اس کی گندہ دہانی پر تنبیہہ فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"اب ہم یہ خط بطور نوٹس کے آپ کو بھیجتے ہیں کہ اگر پھر ایسے ناپاک الفاظ آپنے استعمال کئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ناپاک تہمت لگائی تو ہم بھی آپ کے فرضی اور جعلی خدا کی وہ خبریں گے جس سے اسکی تمام خدائی ذلت کی نجاست میں گر جائے گی۔ اے نالائق کیا تو اپنے خط میں سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کو زنا کی تہمت لگاتا ہے اور فاسق و فاجر قرار دیتا ہے اور ہمارا دل دکھاتا ہے ...... یقیناً جو کچھ تم جناب مقدس نبوی کی نسبت برا کہو گے وہی تمہارے فرضی مسیح کو کہا جائے گا۔ مگر ہم اس سچے مسیح کو مقدس اور بزرگ اور پاک جانتے اور مانتے ہیں جس نے نہ خدائی کا دعویٰ کیا۔ نہ بیٹا ہونے کا۔ اور جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے آنیکی خبر دی اور ان پر ایمان لایا۔" (نور القرآن نمبر ۲ صفحہ ۱۳)

پھر فرماتے ہیں:۔

"مسلمانوں کو واضح رہے کہ خدا تعالیٰ نے یسوع کی قرآن شریف میں کوئی خبر نہیں دی کہ وہ کون تھا۔ اور پادری اس بات کے قائل ہیں کہ یسوع وہ شخص تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور حضرت موسےٰ کا نام ڈاکو اور بٹمار رکھا۔ اور آنے والے مقدس نبیؐ کے وجود سے انکار کیا اور کہا کہ میرے بعد سب جھوٹے نبی آئیں گے۔ پس ہم ایسے ناپاک خیال اور متکبر اور راستبازوں کے دشمن کو ایک بھلا مانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے۔

چہ جائیکہ اُس کو نبی قرار دیں۔" (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص۹)

پھر حضورؑ فرماتے ہیں:۔

"اور یاد رہے کہ یہ ہماری رائے اُس یسوع کی نسبت ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور پہلے نبیوں کو چور اور بٹمار کہا۔ اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بجز اس کے کچھ نہیں کہا کہ میرے بعد جھوٹے نبی آئیں گے۔ ایسے یسوع کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔" (انجام آتھم ص۱۳)

چونکہ برق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حضرت مسیح علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیائے کرام کی "تحقیر و استخفاف" کا ناپاک الزام بھی لگایا ہے۔ اس لئے ہم اس بارہ میں بطور مشتے نمونہ از خروارے صرف ایک دو حوالے درج کرتے ہیں جن سے خدا ترس ناظرین معلوم کر سکیں گے کہ گذشتہ انبیاءؑ کے متعلق حضورؑ کے خیالات کس قدر پاکیزہ ہیں۔ حضورؑ فرماتے ہیں ؎

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا ÷ نام اُس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر ÷ لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے
پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اک قمر ہے ÷ اس پر ہر اک نظر ہے بدر الدجیٰ یہی ہے
وہ یارِ لامکانی وہ دلبرِ نہانی ÷ دیکھا ہے ہم نے اس سے بس رہنما یہی ہے
وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیں ہے ÷ وہ طیب و امین ہے اس کی ثنا یہی ہے
اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں ÷ وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے
وہ دلبرِ یگانہ علموں کا ہے خزانہ ÷ باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے

ہر رسولے آفتابِ صدق بود ÷ ہر رسولے بود مہرِ انورے
ہر رسولے بود ظلّے دیں پناہ ÷ ہر رسولے بود باغِ مثمرے
گر بدُنیا نامدے ایں خیلِ پاک ÷ کارِ دیں ماندے سراسر ابترے
ہر کہ شکرِ بعثِ شاں ناردبجا ÷ ہست او آلائے حق را کافرے
آں ہمہ از یک صدف صد گوہر اند ÷ متحد در ذات و اصل و گوہرے
اوّل آدمؑ آخرِ شاں احمدؐ است ÷ اے خنک آنکس کہ بیند آخرے

انبیا گرروشن گہر ہستند لیک ÷ ہست احمد زاں ہمہ روشن ترسے
آں ہمہ کانِ معارف بودہ اند ÷ ہر یکے از رہ مولےٰ مخبرسے

(۳۰) پھر برقی صاحب لکھتے ہیں:-

"ہماری قبر مدینہ منورہ میں خاص روضہ شریف کے اندر ہوئی"

(ازالہ اوہام طبع ثانی صفحہ ۲۳۶)

اس کا مختصر جواب تو یہی ہے۔ کہ یہ حوالہ ازالہ اوہام کے ۲۳۶ صفحہ پر ہرگز موجود نہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ ہے تو جب تک وہ نکال کر نہ دکھلا وے لعنۃ اللہ علی الکاذبین کی وعید کا خود کو مورد سمجھے۔

اور بطور الزام خصم کے یہ جواب ہے کہ جب آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یُدفن معی فی قبری فرمایا ہے۔ اور آپ مسیح محمدی کے متعلق ہر امر کو ظاہر پر ہی محمول کرنے کے شائق ہیں۔ تو پھر اس میں آپ کو کیا اشکال ہے۔ کیا یدفن معی فی قبری کا ظاہری مصداق حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے خاص روضہ شریف کے اندر دفن ہوگا؟ اور اگر اس میں تاویل کی گنجائش معلوم ہوتی ہے تو پھر تاویل ایک آدھ امر میں کیوں کرتے ہیں پیشگوئی کے تمام پہلوؤں کو قابلِ تاویل سمجھیں۔ اور جو تاویل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی ہے اُسے قبول فرمائیں کہ سلامتی کی صرف اور صرف یہی ایک راہ ہے۔

اس کے بعد آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کی زبان اور فصاحت و بلاغت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اگر آپ اس نقطۂ نگاہ سے مرزا صاحب کی تصانیف کو دیکھیں گے تو آپ کو سخت مایوسی ہوگی۔ بھدی تراکیب، بودا اسلوب بیان، حشو و زوائد کا انبار، اطناب مخل غلط سلط عربی مولویانہ رنگ کی پھُس پھُسی اُردو، تخیل سے عاری اشعار اور بے لذت نظمیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ جو شخص اُردو کی چار سطریں لکھنے میں دس ٹھوکریں کھاتا ہے وہ نبی کیسے بن گیا۔ نبی تو افصح الدہر ہوا کرتا ہے"

یہ سطور پڑھکر ہمیں بجائے رنج اور افسوس ہونے کے بے حد خوشی ہوئی۔ اور ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ الحمد للہ آپ نے خود ہی اپنی علمی بے مائیگی، روحانی بے بصیرتی اور جسمانی بے بصارتی کا اپنے ہاتھوں ثبوت مہیا کر دیا۔ کیونکہ سہ

قدرِ زر زرگر بداند قدرِ جوہر جوہری ÷ قدرِ گل بلبل شناسد قدرِ قنبر را علیؓ

اور اگر ان اعتراضات کی موجودگی میں جو آپ نے البیان کے ص۱ تا ص۱۲ میں کئے ہیں آپکی زبان سے حضرت اقدسؑ کی کتب کے متعلق کوئی تحسین و آفرین کا کلمہ نکلتا تو ہمیں بیحد افسوس ہوتا اور ہماری حالت وہی ہوتی جس کا نقشہ اِن اشعار میں کھینچا گیا ہے ؎

شاعرے در سخنوری ساحر ÷ در فنِ مدح گستری ماہر
ہرِ شاہے نوائے مدح افراخت ÷ پُر مدائح قصیدۂ پرداخت
بُرد روزے سیکے نکو خواں را ÷ کہ رساند بعرض شہ آں را
پائے تا سر قصیدہ زا برخواند ÷ حرف حرفش بسمع شاہ رساند
خواندنش چوں بآخر انجامید ÷ وز ادائے سخن بیارامید
داشت شاعر باہلِ مجلس گوش ÷ کہ بہ تحسین او کنند خروش
ہیچ کس دم نزد زباں نکشاد ÷ داد تحسین آں قصیدہ نداد
ناگہاں شہرۂ بجہل و غرور ÷ بانگ زد از حریمِ مجلس دُور
بارک اللہ فلاں نکو گفتی ÷ گوہرِ مدحِ شاہ نکو سفتی
مرد شاعر چو سوئے او نگریست ÷ دست بر روے نہاد و زار گریست
گفت بشکست ایں حدیثم پشت ÷ بلکہ تحسینِ ایں خبیثم کشت
ترکِ تحسین بادشاہ و گدا ÷ روئے بخت مرا نہ کرد سیاہ
وافرینے کہ ایں مغفل کرد ÷ روز عیش مرا مبدّل کرد
ہر چہ از بوستاں سبے خردی است ÷ گرچہ شاخ قبول بیخ ردی است
مَیلِ ہر کس بسوئے جنس وے است ÷ آنچہ پخت است جنسِ خام کے است
زاغ خواند نغز ناخوش زاغ ÷ چہ شناسد صفیرِ بلبلِ باغ
چغد سازد بہ کنجِ ویرانہ ÷ کے پذیرد ز گنجِ شہ خانہ
نیست چوں دیدۂ سخن بینش ÷ عار می آیدم ز تحسینش!

لوگ اکثر کہا کرتے ہیں کہ اعتراض کرنا بہت آسان کام ہے۔مگر جو شخص ایسا آسان کام کرنے کے لئے بھی دوسروں کے سہارے کا محتاج ہے اور اندھوں کی طرح ایک قدم بھی بیدھڑک نہیں اُٹھا سکتا وہ سچائی کا مقابلہ کس طرح کر سکتا ہے۔ برقی صاحب غور کریں کہ اگر ان کی آنکھیں

میں تو وہ اصل کتابوں میں حوالجات دیکھنے اور اُن کی تحقیق کرنے بلکہ خود کتابیں پڑھنے کی تکلیف
وارا نہ کرتے ؟ اُن کا کمی پر مکھی مارنا اور مولوی ثناء اللہ صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھکر چلنا
اف اور صریح دلیل اس بات کی ہے کہ وہ بچارے آنکھوں سے معذور ہیں اور اُن کیلئے
ن رات اور اندھیرا اُجالا برابر ہے۔ اور جب صورت حالات یہ ہو تو کوئی نادان ہی ہوگا جو
پ سے یہ توقع رکھے کہ ان کتابوں میں آپ کو فصاحت و بلاغت کے بے نظیر نمونے میں الفاظ
ی چاشنی، ترکیب کی درستی اور بندش کی چستی بھی نظر آسکتی ہے۔
ہم برق صاحب کی خدمت میں اگر وہ بینائی کے ساتھ اپنی شنوائی بھی نہیں کھو چکے مادب
ارش کریں گے کہ چونکہ آپ فصاحت و بلاغت کو پرکھنے کے اہل ہی نہیں[1] ہیں اس لئے ان
تابوں میں آپ کو یہ چیزیں اگر نہ ملیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جو لوگ اِس فن کے ماہر
ں جب تک بینائی حاصل نہ ہو جائے اُن سے سُنکر بھی آپ گزارہ کر سکتے ہیں کیونکہ آجکل
ئی اندھے قوتِ شنوائی سے کام لیکر مولوی فاضل تک کا امتحان پاس کر لیتے ہیں۔ پس اگر
ت بخیر ہے تو ان کی زبانی سُنئے :-
مرزا حیرت دہلوی جو خود اعلیٰ درجہ کے ادیب تھے اور آپ کی ساری عمر حضرت اقدس کی
الفت میں گزری اظہارِ صداقت سے مجبور ہو کر تحریر فرماتے ہیں :-

"مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اُس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام
کی کی ہیں وہ واقعی بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں۔ اس نے مناظرے کا بالکل
رنگ ہی بدل دیا۔ اور ایک جدید لٹریچر کی بُنیاد ہندوستان میں قائم
کردی۔ نہ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ ایک محقق ہونے کے ہم اِس بات کا
اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کی یہ

[1] ادبیت کی ڈینگیں مارنے والے متکبّر اور مغرور انسان کے متعلق الٰہی تصرف دیکھئے کہ اسکے
نہ میں ذلّت کی خاک بھرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی کے ہاتھوں سامان کر دیا یعنی اطناب مُمل کی
نہ "اطناب مِطل" لکھکر اپنی ادب سے تہیدستی، کور باطنی اور بد مذاقی کا خود ہی ثبوت بہم پہنچا دیا۔
چ ہے۔ "انی مھین من اراد اھانتك وانی معین من اراد اعانتك"
اعتبروا یا اولی الابصار۔

مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔ جو بے نظیر کتابیں آریوں اور عیسائیوں کے مذاہب کے ردّ میں لکھی گئی ہیں اور جیسے دندان شکن جواب مخالفین اسلام کو دیئے گئے آج تک معقولیت سے اُن کا جواب الجواب ہم نے تو نہیں دیکھا ..... مرحوم پنجابی تھا مگر اس کے قلم میں اس قدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ بلندیٔ ہند میں بھی اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں۔ ایک پُرجذبہ اور قوی الفاظ کا انبار اُس کے دماغ میں بھرا رہتا تھا۔ اور جب وہ لکھنے بیٹھتا تو نپے تُلے الفاظ کی ایسی آمد ہوتی تھی کہ بیان سے باہر ہے ...... مرحوم کے اردو علم ادب میں بعض بعض مقامات پر پنجابی رنگ اپنا جلوہ دکھا دیتا ہے تو بھی اس کا پُرزور لٹریچر اپنی شان میں بالکل نرالا ہے۔ اور واقعی اس کی بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔" (اخبار کرزن گزٹ دہلی یکم جون ۱۹۰۸ء)

امرتسر کا اخبار وکیل لکھتا ہے:۔

"غیر مذاہب کی تردید میں اور اسلام کی حمایت میں جو نادر کتابیں انہوں نے تصنیف کی تھیں اُن کے مطالعہ سے جو وجد پیدا ہوا وہ اب تک نہیں اُترا۔ اُن کی کتاب براہین احمدیہ نے غیر مسلموں کو مرعوب کر دیا اور اسلامیوں کے دل بڑھا دیئے۔"

دیکھا آپ نے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے آنکھیں عطا فرمائی ہیں اور اُن میں بینائی کا نور بھی موجود ہے اُنہیں ان کتابوں میں کیا نظر آ رہا ہے۔ اگر آپ کو کچھ نظر نہیں آتا تو یہ ان کتابوں کا نہیں بلکہ آپ کی نظر کا قصور ہے۔ اگر آپ کو آنکھوں کی کوئی قدر ہے تو شافیٔ مطلق نے قادیان میں ایسے مریضوں کی شفایابی کے لئے ایک بہت بڑا ہسپتال کھول رکھا ہے۔ اور ایک نہایت ہی قابل اور مستند ڈاکٹر علاج کے لئے مقرر کیا ہوا ہے۔ آپ بھی اپنی نابینائی کا علاج کرا کر شفایاب ہو سکتے ہیں۔ ورنہ یاد رکھیں من کان فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی واضل سبیلاً۔

اب ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب سے جن کے متعلق برقی صاحب نے نہایت ڈھٹائی سے لکھدیا ہے کہ ان میں بھدّی تراکیب اور بودے اسلوب بیان ہیں چند ایک

نمونے نظم اور نثر کے پیش کرتے ہیں اور اُن سے درخواست کرتے ہیں کہ اِن عبارات کو اپنی تمام بہادری صرف و نحو اور فصاحت و بلاغت کے شکنجے میں کس کر جو اعتراض وہ کر سکتے ہیں دل کھول کر کریں اور اگر انہوں نے ایسا کیا اور ہم پہلے سے متحدیانہ طور پر کہے دیتے ہیں کہ وہ ہرگز نہیں کریں گے۔ تو پھر انشاء اللہ تعالےٰ اُن کی عبرتناک تحریروں سے مخلوقِ خدا کو بہت فائدہ پہنچے گا۔

قرآں خدا نما ہے خدا کا کلام ہے ÷ بے اس کے معرفت کا چمن ناتمام ہے
جو لوگ شک کی سردیوں سے تھرتھراتے ہیں ÷ اُس آفتاب سے وہ عجب دھوپ پاتے ہیں
دُنیا میں جس قدر ہے مذاہب کا شور و شر ÷ سب قصہ گو ہیں نور نہیں ایک ذرہ بھر
مُردہ پرست ہیں وہ جو قصہ پرست ہیں ÷ پس اسلئے وہ موردِ ذلّ و شکست ہیں
بن دیکھے دل کو دوستو پڑتی نہیں ہے کل! ÷ نقصوں سے پاک کیسے ہو یہ نفسِ پُرخلل!
اے سونیوالو جاگو کہ وقت بہار ہے ÷ اب دیکھو آکے در پہ ہمارے وہ یار ہے
کیا زندگی کا ذوق اگر وہ نہیں ملا ÷ لعنت ہے ایسے جینے پہ گر اُس سے ہیں جُدا
اس رُخ کو دیکھنا ہی تو ہے اصل مدعا ÷ جنت بھی ہے یہی کہ ملے یارِ آشنا
بن دیکھے کس طرح کسی مہ رُخ پہ آئے دل ÷ کیونکر کوئی خیالی صنم سے لگائے دل
دیدار گر نہیں ہے تو گفتار ہی سہی ÷ حُسن و جمالِ یار کے آثار ہی سہی
سو روگ کی دوا یہی وصلِ الٰہی ہے ÷ اِس قید میں ہر ایک گنہ سے رہائی ہے
پر جس خدا کے ہونے پہ کوئی نہیں نشاں ÷ کیونکر نثار ایسے پہ ہو جائے کوئی جاں
جو خاک میں ملے اُسے ملتا ہے آشنا ÷ اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما
یہ راہ تنگ ہے پہ یہی ایک راہ ہے ÷ دلبر کی مرنے والوں پہ ہر دم نگاہ ہے
ناپاک زندگی ہے جو دُوری میں کٹ گئی ÷ دیوارِ زُہدِ خشک کی آخر کو پھٹ گئی
زندہ وہی ہیں جو کہ خدا کے قریب ہیں ÷ مقبول بن کے اُسکے عزیز و حبیب ہیں
وہ دُور ہیں خدا سے جو تقویٰ سے دُور ہیں ÷ ہر دم اسیرِ نخوت و کبر و غرور ہیں
تقویٰ یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو ÷ کبر و غرور و بخل کی عادت کو چھوڑ دو
لعنت کی ہے یہ راہ سو لعنت کو چھوڑ دو ÷ ورنہ خیالِ حضرتِ عزّت کو چھوڑ دو
تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول ÷ تا تم پہ ہو ملائکۂ عرش کا نزول
اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا ÷ ترکِ رضائے خویش پئے مرضیٔ خدا

پھر حضورؑ فرماتے ہیں ؎

وہ عضو اپنے جو کوئی ڈر کر بچائے گا ÷ سیدھا خدا کے فضل سے جنت میں جائیگا

وہ اک زباں ہے عضو نہانی ہے دوسرا ÷ یہ ہے حدیث سیدنا سید الوریٰ

پر وہ جو مجھ کو کاذب و مکار کہتے ہیں ÷ اور مفتری و کاذب و بدکار کہتے ہیں

ان کیلئے تو بس ہے خدا کا یہی نشاں ÷ یعنی وہ فضل اسکے جو مجھ پر ہیں ہر زماں

دیکھو خدا نے ایک جہاں کو جھکا دیا ÷ گمنام پا کے شہرۂ عالم بنا دیا

جو کچھ مری مراد تھی سب کچھ دکھا دیا ÷ میں اک غریب تھا مجھے بے انتہا دیا

دُنیا کی نعمتوں سے کوئی بھی نہیں رہی ÷ جو اُس نے مجھ کو اپنی عنایات سے نہ دی

ایسے بدوں سے اسکے ہوں ایسے معاملات ÷ کیا یہ نہیں کرامت و عادت سے بڑھکے بات

جو مفتری ہے اس سے یہ کیوں اتحاد ہے ÷ کس کو نظیر ایسی عنایت کی یاد ہے

مجھ پہ ہر اک نے وار کیا اپنے رنگ میں ÷ آخر ذلیل ہو گئے انجام جنگ میں

اِن کمینوں میں کسی کو بھی ارماں نہیں رہا ÷ سب کی مراد تھی کہ میں دیکھوں رہ فنا

تھے چاہتے کہ مجھکو دکھائیں عدم کی راہ ÷ یا حاکموں سے پھانسی دلا کر کریں تباہ

یا کم سے کم یہ ہو کہ میں زنداں میں جا پڑوں ÷ یا یہ کہ ذلتوں سے میں ہو جاؤں سرنگوں

یا مخبری سے اُن کی کوئی اور ہی بلا ÷ آ جائے مجھ پہ یا کوئی مقبول ہو دُعا

پس ایسے ہی ارادوں سے کرکے مقدمات ÷ چاہا گیا کہ دن مرا ہو جائے مجھ پہ رات

کوشش بھی وہ ہوئی کہ جہاں میں نہ ہو کبھی ÷ پھر اتفاق وہ کہ زماں میں نہ ہو کبھی

مجھ کو ہلاک کرنے کو سب ایک ہو گئے ÷ سمجھا گیا میں بد پہ وہ سب نیک ہو گئے

آخر کو وہ خدا جو کریم و قدیر ہے ÷ جو عالم القلوب و علیم و خبیر ہے

اُترا مری مدد کے لئے کرکے عہد یاد ÷ پس رہ گئے وہ سارے سیہ روئے و نامراد

کچھ ایسا فضل حضرت رب الوریٰ ہوا ÷ سب دشمنوں کے دیکھ کے اوساں ہوئے خطا

اک قطرہ اُسکے فضل نے دریا بنا دیا ÷ میں خاک تھا اُسی نے ثریا بنا دیا

میں تھا غریب و بیکس و گمنام و بے ہنر ÷ کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر

لوگوں کی اِس طرف کو ذرا بھی نظر نہ تھی ÷ میرے وجود کی بھی کسی کو خبر نہ تھی

اب دیکھتے ہو کیسا رجوع جہاں ہوا ÷ اک مرجع خواص یہی قادیاں ہوا

پر پھر بھی جن کی آنکھ تعصب سے بند ہے ÷ ان کی نظر میں حال مرا ناپسند ہے
میں مفتری ہوں اُن کی نگاہ و خیال میں ÷ دُنیا کی خیر ہے مری موت و زوال میں

(براہین احمدیہ حصہ پنجم)

پھر حضورؑ فرماتے ہیں ؎

بترس اے معاند ز قہر خدا ÷ کہ سخت است قہر خداوندِ ما
بنا کردن ترس پروردگار ÷ بسا شہر ویران شدند و دیار
ازاں بے ہراساں نشانے نماند ÷ نشانے چہ یک استخوانے نماند
ہمہ زیرکی در ہراسیدن است ÷ وگرنہ بلا بر بلا دیدن است
بہ ناپاکی و خبث ہا زیستن ÷ بہ ازایں چنیں زیست نا زیستن
بیا و بنہ سوئے انصاف گام ÷ زکیں توبہ کردن چرا شد حرام
یقیں داں کہ قولم ز حق پروریست ÷ نہ لاف و گزاف است و نے سرسریست
بہر مذہبے غور کردم بسے ÷ شنیدم بدل حجتِ ہر کسے
بخواندم ز ہر ملتے دفترے ÷ بدیدم ز ہر قوم دانشورے
ہم از کودکی سوئے ایں تاختم ÷ دریں شغل خود را بینداختم
جوانی ہمہ اندریں باختم ÷ دل از غیر ایں کار پرداختم
بماندم دریں غم زمانے دراز ÷ نخفتم ز فکرش شبانے دراز
نگہ کردم از روئے صدق و سداد ÷ بترسِ خدا و بعدل و بہ داد
چو اسلام دینے قوی و متین ÷ ندیدم کہ بر منبعش آفریں
چناں دارد ایں دیں صفا بیش بیش ÷ کہ حاسد بہ بیند در و روئے خویش
نماید ازاں گونہ راہِ صفا ÷ کہ گردد بصدقش خرد رہنما
ہمہ حکمت آموزد و عقل و داد ÷ رہاند ز ہر نوعِ جہل و فساد
ندارد دگر مثلِ خود در بلاد ÷ خلافش طریقے کہ مثلش مباد
اصولش کہ ہست آں مدارِ نجات ÷ چو خورشید تابد بصدق و ثبات
اصولِ دگر کیش ہا ہم عیاں ÷ نہ چیزے کہ پوشیدنش مے تواں
اگر نا مسلماں خبر داشتے ÷ بجاں جنسِ اسلام نگذاشتے

محمدؐ ہمیں نقشِ نورِ خدا است ❖ کہ ہرگز چنوئے بگیتی نخاست
تہی بود از راستی ہر دیار ❖ بجز دار آں شب کہ تاریک وتار
خدایش فرستاد وحق گسترید ❖ زمیں را بداں مقدمے جاں دمید

نہالیست از باغِ قدس وکمال
ہمہ آلِ او ہمچو گلہائے آل

(مقدمہ براہین احمدیہ صفحہ ۱۶)

چونکہ اِس متکبر انسان نے حضرت سُلطان القلم کے بعض عربی الہامات میں بزعم خود صرفی نحوی اغلاط نکالنے کی بھی ناکام کوشش کی ہے اس لئے قبل اس کے جو ہم ان اغلاط کا دندان شکن جواب دیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عربی کلام کا کچھ نمونہ اور مقابلہ کے لئے حضورؑ کی تحدی حضورؑ ہی کے الفاظ میں ناظرین باتمکین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:۔

ان متضاد خیالات کا جواب دیتے ہوئے کہ عربی لکھنے کے لئے گھر میں عرب چھپایا ہوا ہے اور عربی عبارات صرفی نحوی اغلاط سے پُر ہیں۔ حضورؑ اپنے ایک قصیدہ میں فرماتے ہیں ؎

انظر الی اقوالھم وتناقض ❖ سلب العناد اصابۃ الآراء
طوراً الی عرب عزوہ وتارۃً ❖ قالوا کلام فاسد الاملاء
ھٰذا من الرحمٰن یا حزب العدا ❖ لا فعل شامی ولا رفقائی

"اعجاز المسیح" کے بالمقابل عربی زبان میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر شائع کرنے پر تحدی فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

(۱) "فانہ کتاب لیس لہ جواب ومن قام للجواب وتنمر فسوف یریٰ انہ تندم وتدمر"

(۲) "اعلموا ان رسالتی ھٰذہٖ اٰیۃ من اٰیات اللہ رب العٰلمین وتبصرۃ لقوم طالبین۔ وانھا من ربی حُجۃ قاطعۃ وبرھان مبین۔ کذالک لیذیق الافاکین قلیلاً من جزاء ذنوبھم ویری النّاس ما ترشح من ذنوبھم ویجنّبھم بمعجزۃ قاھرۃٍ

ویزیل اضطجاع الامن من جنوبهم ولیستاصل راحة کاذبة
من قلوبهم والحق واقول ان هٰذا کلام کانّه حسام
وانّه قطع کل نزاع ومابقی بعده خصام
ومن کان یظن انه فصیح وعنده کلام
کانه بدر تام فلیأت بمثله والقسمت علیه
حرامٌ وان اجتمع اٰباءُهم وابناءهم والفاهم
وعلماءهم وحکماءهم وفقهاءهم علٰی ان یأتوا
بمثل هٰذا التفسیر فی هٰذا المدی القلیل
الحقیر لا یاتون بمثله ولو کان بعضهم
لبعض کالظهیر. فانّی دعوت لذالک وانّ
دعائیَ مستجاب فلن یقدر علٰی جوابه
کتاب لا شیوخ ولا شباب"

(اعجاز المسیح صفحہ ۱ مطبوعہ فلسطین)

یہ عبارات درج کرنے کے بعد ہم امید رکھتے ہیں کہ برقؔ صاحب نہ صرف ان میں صرفی نحوی اغلاط نکالنے کی کوشش کریں گے بلکہ چونکہ وہ شاعر ہونے کا دعوٰی بھی کرتے ہیں اور ساتھ ہی یونیورسٹی کی سب سے بڑی ڈگری بھی حاصل کئے ہوئے ہیں اس لئے ان عبارات میں بیان شدہ مضامین میں نظم و نثر میں خامہ فرسائی کرکے انہیں مضامین کو اس سے بہتر پیرایہ میں (کیونکہ مرزا صاحبؑ بقول ان کے "باقاعدہ میٹرک فیل[1] تھے"۔ اور آپ ہوئے یونیورسٹی کے ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی) یا کم از کم ایسے اسلوب بیان میں جو حضورؑ کے اسلوب بیان کا لگا کھا سکے بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور جس طرح ان متحدیانہ کتابوں کے شائع ہونے کے بعد نہ صرف پنجاب و ہندوستان بلکہ کل دُنیا کے علماء دم بخود ہو گئے برقؔ صاحب کی طرف سے اس پر صدائے برنخواست والا معاملہ نہ ہوگا، اور وہ ضرور زبان کشائی کرکے اس الزام سے اپنے تئیں

---

[1] لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ حقیقت یہ ہے کہ حضورؑ کی تعلیم گھریلو تھی کسی مدرسہ میں حضورؑ نہ داخل ہوئے نہ میٹرک تک تعلیم پائی۔

بری الذمہ ٹھہرانے کی کوشش کریں گے۔

پھر برق صاحب اپنی عربی دانی کا بھانڈا امرت سر کے "گنڈہ سفید" کے چوراہے میں پھوڑتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک الہام پر بدیں الفاظ معترض ہیں:۔

"قرآنی آیات کے علاوہ عربی کے چند اور فقرے بھی ملتے ہیں جو ادبیت کے لحاظ سے نہایت پست ہیں اور عموماً غلط۔ مثلاً یا مریم اسکن۔ ایک جاہل بھی جانتا ہے کہ اسکن مذکر کا صیغہ ہے اور مریم مؤنث۔ اس لئے یہ فقرہ غلط ہے۔"

(البیان صلا۲)

اس کا جواب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جیسے معاند سے جنہوں نے سارے ہندوستان کی خاک چھان کر حضرت اقدس کے خلاف کفر کا فتویٰ تیار کیا۔ اور اپنی ساری زندگی حضور کی مخالفت کے لئے وقف کر دی تھی سنیں! آپ اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ نمبر ۲، ۴ جلد ۴ اور ۹ جلد ۷ حاشیہ صنہ۲۵ پر لکھتے ہیں:۔

"اور الہام یا مریم اسکن انت وزوجک الجنۃ میں لفظ مریم سے مؤلف مراد ہے۔ جس کو ایک روحانی مناسبت کے سبب مریم سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس تشبیہ کی ادنیٰ مثال نظامی کا یہ شعر ہے جس میں انہوں نے اپنی طبیعت کو مریم سے تشبیہ دی ہے ؎

ضمیرم نہ زن بلکہ آتش زن است ✦ کہ مریم صفت بکر آبستن است

اس صورت میں مریم کا خطاب بصیغہ تذکیر محل اعتراض نہیں۔ کسی کو یہ شبہ نہ گذرے کہ برعایت لفظ مریم اُسکن کو مؤنث کیوں نہ کیا گیا۔ اس لئے کہ لفظ مریم میں تانیث لفظی نہیں تا کہ لفظ کی رعایت ہوتی۔ معنوی تانیث تھی جو اس مقام میں مؤلف کی مراد ہونے سے نہ رہی۔"

ہم حیران ہیں کہ اتنی معمولی سی بات بھی بتلانے والا امرت سر میں کوئی نہیں رہا۔ برق صاحب کو چاہئے کہ اگر عربی علوم کی تحصیل کا شوق ہو تو ان علوم کا مرکز اللہ تعالیٰ نے قادیان کو مقرر فرمایا ہے، یہاں آکر سیکھیں۔

اور دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ بشرنی ربی بموتہ فی ست سنۃ میں چونکہ ممیز تین سے دس تک کا مجموع اور مجرور ہوتا ہے اس لئے ست سنۃ غلط ہے اس کی بجائے

"ستّۃِ سنین" چاہئے تھا۔

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہاں بھی آپ نے یہودیت کے خصوصی عیب کا مظاہرہ کر کے یا تو دانستہ ست سنۃ کو ستۃ سنۃ کر دیا ہے اور یا پھر اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے اور آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ تین سے دس تک عدد مذکر تا کے ساتھ اور مونث بغیر تا کے آتا ہے۔ اور اس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ آپ نے سنۃ کو سنّۃ لکھ دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان دونوں لفظوں کو بھی ایک ہی چیز سمجھتے ہیں۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عربی زبان میں قریباً بیس کتب لکھی ہیں اور کتب بھی متحدیانہ۔ اور ان میں کئی جگہ اعداد کا استعمال فرمایا ہے اور ہر جگہ صحیح استعمال فرمایا ہے۔ بیس عربی کتب کے مصنف سے کسی ایک دفعہ سہواً غلطی کا وقوع سبقتِ قلم سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود ستۃٍ سنۃً ہو یعنی سنۃً سے پہلے اعنی فعل محذوف ہو اور سنۃً اس کا مفعول ہو۔ اور کاتب نے منصوب کی بجائے مجرور کر دیا ہو۔

(۳) اور تیسرا جواب یہ ہے کہ آپ کے خیال میں خدا کو بھی عربی زبان آتی ہے یا نہیں؟ اگر آتی ہے تو مندرجہ ذیل صرف دو مثالوں کی توجیہہ بیان کیجئے:۔ (۱) نحویوں نے لکھا ہے کہ گیارہ سے ننانوے تک ممیز مفرد اور منصوب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وقطعنٰھم اثنتی عشرۃ اسباطًا۔ پھر (۲) نحویوں نے لکھا ہے کہ تین سے دس تک ممیز جمع قلت اور مجرور ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ثلاثۃ قروءٍ فرماتا ہے۔ حالانکہ قاعدے کی رو سے ثلاثۃ اقراءٍ چاہئے تھا۔ پس جس خدا نے قرآن کریم نازل فرمایا ہے اُسی خدا کی وہ عربی جو ستۃ سنۃٍ میں ہے کیونکر محلِ اعتراض ٹھہر سکتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آپ کے اعتراضات بالکل اندھے کی لاٹھی کی طرح ہیں جو بلا تمیز اپنے اور بیگانے دونوں پر برستی ہے۔ ورنہ نحو کی کتابوں میں ہر قاعدے کے بعد چند ایک امثلہ شاذ کی بھی موجود ہیں۔ اور شاذ وہی ہوتا ہے جو قیاس سے باہر رہ جاوے۔ کون انسان ہے جو یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں نے زبان عربی کا استقصا کر لیا ہے اور کوئی گنجائش قواعد زبان میں کمی بیشی کی باقی نہیں رہی۔ یہ صرف خدا ہی کا کام ہے جو عالم الغیب ہے۔ پس جو ترکیب قرآنی استعمال میں آگئی ہے، گو وہ آپ جیسے ہرایرے غیرے نتھو خیرے کے نزدیک

نحوی قواعد کے خلاف ہو مگر قواعدِ زبان کے خلاف نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ استقصاء کا دعوٰے خدا ہی کو سزاوار ہے۔

اور آپ کا یہ کہنا کہ "اب اگر کسی احمدی اسے یہ کہیئے کہ حضرت آپ کے پیغمبر نہ عربی جانتے ہیں نہ اُردو تو وہ معاً قرآن شریف اُٹھا کر اسمیں غلطیاں تلاش کرنے لگ جائیں گے" یا تو آپ کی کور باطنی کی دلیل ہے کیونکہ احمدی لوگ قرآن اٹھا کر اس میں سے مثالیں تلاش کرتے ہیں نہ کہ غلطیاں۔ احمدی تو یہ مانتے ہی نہیں کہ قرآن میں غلطیاں ہیں۔ وہ تو اسے خدا کا کلام مانتے ہیں۔ پھر خدا کا کلام مان کر اس میں غلطی کا امکان وہ کس طرح مان سکتے ہیں جو یقیناً مفضی الی الکفر ہے۔ یہ غلطیاں نکالنا تو آپ جیسے سپوتوں کا کام ہے جو انسان ہو کر خدا کے مقابلہ میں بھی انا خیرٌ منہ کا نعرہ لگانے سے نہیں چوکتے پس چونکہ آپ لوگ خود کو مسلمان کہتے ہیں اور قرآن پر ایمان کے بھی مدعی ہیں اس لئے احمدی غریب آپ کو آپ کے ہی مسلمات کی طرف لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس دن آپ اسلام اور قرآن سے بیزاری کا اعلان عام کر دیں گے، اُسی دن احمدی بھی کوئی دوسرا رنگ جواب کا اختیار کر لیں گے۔ اور یا پھر یہ کہنا آپ کی صریح ڈھٹائی ہے۔ کیونکہ جب آپکو معلوم ہے کہ قرآن میں بھی ایسی "غلطیاں" موجود ہیں، جو خدا کا کلام ہے تو پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں اگر شاذ و نادر کے طور پر کوئی ایک آدھ غلطی بھی پائی جاوے جو النادر کالمعدوم کے حکم میں ہے تو حرج ہی کیا ہے۔ کیونکہ آپؑ تو صرف پیغمبر ہی ہیں کوئی خدا تو نہیں ہیں۔

پھر برق صاحب احمدیوں کے دعوئ اشاعتِ اسلام اور تراجم قرآن پر انہیں شرمندہ کرتے ہوئے البیان کے صلا پر رقمطراز ہیں:۔

"یہ اینٹھنے کی بات نہیں بلکہ شرم کا مقام ہے کہ تم نے پیدا ہوتے ہی دُنیا کے ستر کروڑ مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے باہر نکال دیا۔ مساجد میں آنا جانا ترک کر دیا۔ باقی مُسلمانوں سے مرگ و شادی کے تعلقات منقطع کر لئے کوئی مسلمان تمہیں سلام کہہ بیٹھے تو تم جواب میں وعلیکم السلام نہیں کہتے۔ اگر تمھارا باپ بھی غیر احمدی ہو اور فوت ہو جاوے تو اُس کے جنازے میں شامل نہیں ہوتے۔ معمولی مسلمان تو رہا ایک طرف اگر مفتئ فلسطین بھی فرائض امامت

انجام دے رہا ہو تو تم اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ تو گویا ستر کروڑ مسلمانوں کا قصہ تو یوں پاک ہوا۔"

اس ناپاک اور گندے اتہام کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ تصویر کا یہ ظلمانی رُخ جو آپ دکھایا ہے چونکہ خدا نے آپ کو بصیرت اور بصارت دونوں سے ماشاء اللہ بے بہرہ رکھا ہوا ہے۔ اس لئے اپنی نابینائی کی وجہ سے آپ کو نظر نہیں آیا کہ یہ تصویر ان کی اپنی ہے یا احمدیوں کی۔ ہم برق صاحب سے پوچھتے ہیں کہ:۔

(۱) "مرزا کو دجال اور اس کے پیرووں کو دجال کی اولاد کہتے ہیں مسلمانوں کو چاہیئے کہ ایسے دجال کذاب سے احتراز اختیار کریں۔ اور اس سے وہ دینی معاملات نہ کریں۔ جو اہل اسلام میں باہم ہونے چاہئیں۔ نہ اس کی صحبت اختیار کریں۔ نہ اس کو ابتداءً سلام کریں اور نہ اس کو دعوت مسنون میں بلائیں نہ اسکی دعوت قبول کریں اور نہ اس کے پیچھے اقتدا کریں اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔" (فتویٰ تکفیر صہ از سید نذیر حسین دہلوی)

(۲) "غلام احمد بجرو۔ پلید۔ گمراہ۔ چھپا مرتد۔ شیطان سے زیادہ گمراہ ہے۔ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جاوے اور نہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاوے تاکہ اہل قبور کو اس کی وجہ سے تکلیف نہ ہو۔"

(فتوے مذکور مولوی عبدالصمد غزنوی)

مندرجہ بالا دو فتوے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کے تو نہ لکھے تھے یا چودھویں صدی کے بدترین خلائق علماء نے حضورؑ کے برخلاف یہ زہر پھیلا کر سارے ہندوستان میں دشمنی اور عداوت کی آگ لگائی تھی۔

پھر ہم پوچھتے ہیں کہ بٹالہ میں جن لوگوں نے اپنی مساجد کے دروازوں پر لکھ رکھا ہے "اس مسجد میں کسی مرزائی کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں" وہ مسجدیں احمدیوں کی ہیں یا نام نہاد مسلمانوں کی؟

پھر ہم برق صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ گذشتہ سال گجرات میں جو ایک معزز احمدی خاتون کی نعش قبر کھود کر مع کفن جلائی گئی تھی وہ نعش جلانے والے احمدی تھے یا بدنام کنندۂ نکو نامے چند مسلمان؟

پھر ہم پوچھتے ہیں کہ خود امرت سر شہر میں جو ایک معصوم احمدی بچے کو جس کے والدین اس شہر میں ابھی بالکل نو وارد تھے قبرستان میں دفن کرنے سے روکنے کے لئے جو ہزارہا لوگوں کا مجمع دروازہ کٹڑہ خزانہ کے باہر جمع ہوا تھا وہ احمدیوں کا تھا یا انسانیت سے عاری اور وحشی اور درندہ صفت مسلمانوں کا - اگر ان تمام واقعات کے ذمہ وار احمدی نہیں ، بلکہ مسلمان تھے تو ان مسلمانوں کے ساتھ برق صاحب کے لئے بھی ڈوب مرنے کا مقام ہے - اور اس سے بڑھ کر بے غیرتی اور بے شرمی اور کیا ہوگی کہ ان افعالِ شنیعہ کا ارتکاب تو خود کریں اور سارا الزام احمدی غریبوں کے سر تھوپ دیں ؎

سچ کہو سچ کہو ہمیشہ سچ ÷ ہے بھلے مانسوں کا پیشہ سچ
جھوٹ کی بھول کر نہ ڈالو خو ÷ جھوٹ ذلت کی بات ہے اخ تھو

دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی لوگوں کو مسلمان بنانے کے لئے آیا کرتے ہیں نہ کہ مسلمانوں کو کافر بنانے کے لئے - پس اس کی آواز پر وہی لوگ لبیک کہتے ہیں جو درحقیقت مسلمان ہوتے ہیں - اور جو لوگ اپنی بد اعمالی کی وجہ سے اسلام کو خیر باد کہہ چکے ہوتے ہیں - اور مشرک اور بیدین ہوتے ہیں - وہی لوگ اس کے منکر ہوتے ہیں - نبی کی مثال ایک سورج کی سی ہوتی ہے کہ جب طلوع ہوتا ہے تو روشنی کی وجہ سے زمین پر پڑی ہوئی پاک پلید چیزوں میں تمیز ہو جاتی ہے - یہ نہیں کہ سورج خود پاک اور پلید چیزوں کی بارش کرتا ہے - یا کسی کو پاک اور کسی کو پلید ٹھہراتا ہے - جو پاک ہوتا ہے وہ نبی کے آنے سے پہلے ہی پاک ہوتا ہے اور جو پلید ہوتا ہے وہ اس کے آنے سے پہلے ہی پلید ہوتا ہے - خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - النّاس کمعادن الذهب والفضۃ خیارکم فی الاسلام خیارکم فی الجاھلیّۃ - چونکہ نبی میں ایک قوتِ قدسی ہوتی ہے - جو مقناطیس کا اثر رکھتی ہے - اس لئے وہ نیکوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے - بُرے اور بدکار لوگ اس کی اس کشش سے بالکل متاثر نہیں ہوتے -

تیسرا جواب یہ ہے - کہ چونکہ نبی کی بعثت گری ہوئی قوم کو اٹھانے اور بامِ ترقی پر پہنچانے کے لئے ہوتی ہے اور اگر خبیث اور طیب آپس میں ملے جلے رہیں تو یہ ترقی ناممکن ہو جاتی ہے - پس ہر نبی کا پہلا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے پاکیزہ اور طیب پیروؤں کی علیحدہ جماعت بنائے - اور اعلیٰ ڈاکٹر اور حاذق طبیب کی مانند ایسے گلے سڑے عضو کو جو اپنی سڑاند

سے باقی جسم کو بھی خراب کرنیوالا ہو اور علاج پذیر نہ ہو سکتا ہو باقی جسم کی خیر خواہی اور ہمدردی کی خاطر کاٹ دے اور کوئی عقلمند ایسا نہیں جو اس پر معترض ہو سکولوں اور کالجوں میں الگ الگ جماعتیں اس لئے بنائی جاتی ہیں کہ ان کی تعلیم آسان اور ترقی جلد ہو اور اگر سب کو مخلوط کر دیا جاوے تو یقیناً ان کی تعلیم میں لاینحل مشکلات پیدا ہو جائیں۔ اور ترقی کرنا ناممکن ہو جائے۔ پس اس پر آپ کو کیا اعتراض ہے۔ اگر خلیع الرسن جانوروں کی طرح آوارہ پھرنے سے شرم آتی ہے تو اس گلہ میں شریک ہو جایئے جس کا محافظ ایک خدائی گلہ بان ہے ؎

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے ٭ ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

پھر آپ لکھتے ہیں:-

"باقی رہے وہ غیر مسلم جنہیں تم بزعم خود مسلمان بناتے ہو۔ تمہارے اور ان کے اسلام کا خلاصہ صرف اتنا ہے کہ مرزا صاحب[1] مسیح موعود ہیں۔ مسیح[2] علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ نبوت[3] کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اور جہاد[4] فی سبیل اللہ حرام ہے۔ اس ذلیل اسلام سے تو کفر بہتر ہے۔"

ان اعتراضات کا مختصر الفاظ میں یہ جواب ہے کہ:-

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مصداق چونکہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہی ہیں۔ اور وہی اس منصب کے مدعی اور اپنے اس دعوے پر زمینی آسمانی بے شمار شہادات رکھتے ہیں۔ اس لئے آپ کے سوا اور کوئی مسیح موعود نہیں۔ اور اگر وہ نہیں تو پھر آپ کے علاوہ کوئی دوسرا صادق مدعی پیش کریں۔ اور جیسا کہ اخبار الفضل میں بار بار اشتہار شائع ہو رہا ہے بیس ہزار روپیہ انعام لیں۔ ورنہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر بھی حرف آئے گا۔ کہ آپ کی مسیح موعود کے متعلق پیشگوئی جھوٹی نکلی۔

(۲) مسیح علیہ السلام کی وفات قرآن کریم کی تیس آیات سے ثابت ہے۔ عقلاً بھی کوئی انسان اتنی دیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ نہ آسمان کوئی مجسم چیز ہے کہ وہاں انسان کی رہائش کا کوئی سامان ہو۔ قرآن کریم فرماتا ہے الم نجعل الارض کفاتاً احیاءً و امواتاً۔ جب زمین زندوں اور مُردوں کو سمیٹنے کے لئے کافی ہے۔ تو پھر حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کا عقیدہ رکھنا اور انہیں آسمان پر چڑھانا اگر جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر ہمت ہے تو آپ اُن کی حیات

ثابت کرکے دکھلائیں۔

(۳) قرآن اپنی تفسیر آپ کرتا ہے۔ چونکہ آپ لوگوں نے خاتم النبیین کی ترکیب سے ختم نبوت کا عقیدہ نکالا ہے۔ اس لئے اگر قرآن کے نزدیک یہی معنی درست ہیں تو ضروری ہے کہ اسکے ہم معنی کوئی اور آیت اس اجمال کی تفصیل بیان کرنے والی بھی موجود ہو۔ پس اگر کوئی آیت ایسی قرآن کریم میں موجود ہے جس سے صریح طور پر نبوت بند ہونے کی تائید نکلتی ہے تو وہ آیت پیش کریں۔ ورنہ خیالی ڈھکوسلوں پر اپنے عقائد و اعمال کی بنیاد رکھکر اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کا سامان نہ کریں۔ اس بارہ میں ایک مفصل مضمون ریویو آف ریلیجنز بابت ماہ جون میں شائع ہو چکا ہے۔ اگر آپ میں ہمت ہے تو پنجاب چھوڑ ہندوستان بھر کے علماء کو اپنی امداد کے لئے بُلا کر اس کا جواب دیں ورنہ خالی ڈینگیں مارنا صفت حیا و شرم سے دُور سمجھیں۔

(۴) یہ محض آپ کا دجل ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ جہاد منسوخ فرمایا ہے اور نہ وہ یا کوئی اور اس کو منسوخ کر سکتا ہے۔ البتہ حضورؑ کا منشاء یہ ہے کہ جہاد ایک تلوار کا ہوتا ہے، وہ ایسے وقت میں جائز ہے جب اسلامی احکام پر عمل پیرا ہونے سے لوگ بذریعہ تلوار روکیں۔ پس تلوار اُٹھانے والوں کا تلوار سے مقابلہ کرنا چاہیئے۔

اور ایک جہاد تبلیغ ہے، جو قرآنی تعلیم دوسروں تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے۔ اور ایک جہاد اصلاح نفس کا ہے۔ یہ ہر دو قسم کے جہاد ہر زمانہ کے لئے ہیں۔ اور حضورؑ ان پر بدل و جان خود عمل پیرا رہے اور ان کے پیرو دل و جان سے ان پر عمل پیرا ہیں۔ اور جب مخالف لوگ تلوار اٹھائیں گے تو پھر احمدی بھی باذنِ الٰہی تلوار ہاتھ میں لے لیں گے۔ مکہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۳ سال تک لوگوں کے ظلموں کا نشانہ بنے رہے۔ جب لوگوں نے اپنا ظلم انتہا کو پہنچا دیا تو حضورؐ کو بھی اللہ تعالےٰ نے بطور مدافعت تلوار کا جواب تلوار سے دینے کا ارشاد فرمایا۔ اسی طرح اب ہوگا۔ جس جس طریق پر لوگ اسلام پر حملہ آور ہوں گے اسی طریق کے مطابق ان کا مقابلہ کیا جائے گا۔ آپ لوگ باوجود بے فکری سے زندگی بسر کرنے اور خود ہاتھ پاؤں نہ ہلانے کے حضرت اقدسؑ پر اعتراض کر رہے ہیں کہ جہاد نہیں کرتے حالانکہ آپ کا مقصد جہاد کرنا نہیں بلکہ صرف اعتراض کرنا ہے۔ آج اگر احمدی تلوار نہیں اٹھاتے تو جہاد نہ کرنے کا اعتراض، اور کل کو اگر تلوار اٹھائیں گے تو پھر آپ لوگوں کے قتل و خونریزی

کا شور مچا دیں گے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ نکما اور بہانہ جُو انسان اس کے سوا کر بھی کیا سکتا ہے۔

پس یہ ساری باتیں تو عین اسلام ہیں اور اسلام بھی وہ جو خدا کا اسلام ہے، جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اسلام ہے اور جو پکے مومنوں کا اسلام ہے۔ جو شخص اس اسلام کو ذلیل کہتا اور کفر کو اس سے بہتر سمجھتا ہے وہ اپنی ذلت اور اپنے کفر پر اپنے ہاتھ سے مُہر لگاتا ہے۔ یقیناً ایسا انسان کوئی عیسائی ہوگا یا یہودی اور یا پھر کوئی مُنہ پھٹ آریہ۔ مسلمان ہرگز نہیں ہو سکتا۔

پھر آپ البیان کے ص۲۲ پر فرماتے ہیں:۔

"جو نبی دُنیا میں آتا ہے اس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں الہام کی کڑکتی ہوئی بجلیاں ہوتی ہیں۔ وہ کاشتۂ باطل پر صاعقہ بن کر گرتا ہے۔ اس کے جلو میں سمندری لہروں کا شور اور طوفانوں کا زور ہوا کرتا ہے اس کی رفتار قہار فرمانرواؤں کا دل دھڑکا دیتی ہے۔ اس کی ایک للکار سے کائنات دہل جاتی ہے۔ ہے کوئی ایسا پیغمبر جس نے اپنی زندگی میں سلطنت قائم نہ کی ہو۔ اگر کوئی ایسا ہے تو یقیناً اس کے پیروؤں نے تھوڑے ہی عرصے میں جہانبانی کی داغ بیل ڈال دی ہوگی۔"

یہ الفاظ پڑھ کر ہر انسان جسے دین سے ذرا بھی مس ہوگا اور اس نے قرآن کریم کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہوگا۔ بادی النظر میں ہی معلوم کر لے گا کہ یہ صرف الفاظ ہی الفاظ ہیں جن میں حقیقت کا شائبہ تک بھی نہیں پایا جاتا۔ اگر خدا تعالےٰ کو تلوار کے ذریعہ سے منوانے اور اپنے بندوں پر کڑکتی ہوئی بجلیاں گرانے کا ہی شوق ہوتا تو وہ اِس بات پر قادر تھا کہ بغیر ان کے بھی انسانوں کو راہِ راست پر لے آتا۔ جیسا کہ اس نے بار بار قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ اگر ہم نے جبر ہی کرنا ہوتا تو ایک یا دو قوموں کا کیا سوال تھا پھر سب اقوام کو ہی ہدایت دیدیتے۔ مگر چونکہ جبری ایمان کسی ثواب کا مستحق نہیں ہوتا۔ اس لئے ازل سے مشیت ایزدی نے یہی تقاضا فرمایا ہے کہ اپنے بندوں کو اوّل محبت سے، پیار سے، نرمی سے حُسنِ سلوک سے اپنی طرف بُلایا جاوے۔ اور پہلے کسی حد تک اُن کی سختی نرمی کو بھی برداشت کیا جاوے۔ پھر بعد اس کے انبیاء کے مخالفین کو ایمان سے بے نصیب رہنے کی صورت میں

جو نقصانات متوقع ہیں ان سے آگاہ کیا جاوے۔ ضد اور شرارت کی صورت میں عذاب الٰہی سے ڈرایا جاوے۔ اور پھر آخری تنبیہ بصورت عذاب نازل کی جاوے۔ اور پھر ماننے والوں اور نہ ماننے والوں میں آخری فیصلہ کر دیا جاوے۔ بدیں صورت کہ مومنین شاہراہِ ترقی پر گامزن ہو جائیں اور منکرین قعرِ مذلت میں گر جائیں۔ دُنیا بھر کے تمام انبیاء کا حال پڑھ جاؤ، ہر جگہ آپ کو یہی صورتِ حالات ملیگی۔

چونکہ سابقہ انبیائے کرام میں سے صرف رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ہی ایک ایسا مقدس وجود ہے جن کے از اوّل تا آخر حالات سے تواریخ کے صفحات اب تک درخشندہ ہیں اور تا قیامت درخشندہ رہیں گے۔ نیز اس لئے بھی کہ مسلمانوں کے لئے حضورؐ کا اُسوۂ حسنہ ہی بہترین نمونہ ہے۔ اس لئے ہم حضور پُر نورؐ کی ہی مقدس زندگی کے واقعات سے اِس غلط فہمی کا ازالہ کرنیکی کوشش کرتے ہیں۔

انبیائے کرام کی بعثت کی سب سے بڑی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ انسان کی روحانی نابینائی کو دُور کر کے اللہ تعالےٰ کی کامل معرفت عطا کریں۔ کیونکہ کامل معرفت ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے کامل محبت یا کامل خوف پیدا ہو سکتا ہے۔ اور جب تک کامل محبت یا کامل خوف پیدا نہ ہو جائے انسان صحیح طور پر نہ نیکی کر سکتا ہے نہ بدی سے بچ سکتا ہے اِس بارہ میں مناسب ہوگا کہ ہم اِس سلطان القلم کے رُوح پرور اور پاکیزہ کلمات حضورؑ ہی کے الفاظ میں ناظرین کے گوش گذار کریں۔ حضورؑ فرماتے ہیں:۔

(۱) "مذہب کی اصلی غرض اس سچے خدا کا پہچاننا ہے جس نے اِس تمام عالم کو پیدا کیا ہے۔ اور اس کی محبت میں اس مقام تک پہنچنا ہے جو غیر کی محبت کو جلا دیتا ہے۔ اور اس کی مخلوق سے ہمدردی کرنا ہے اور حقیقی پاکیزگی کا جامہ پہننا ہے۔ لیکن مَیں دیکھتا ہوں کہ اِس زمانہ میں یہ غرض بالائے طاق ہے۔ اور اکثر لوگ دہریہ مذہب کی کسی شاخ کو اپنے ہاتھ میں لئے بیٹھے ہیں اور خدا تعالےٰ کی شناخت بہت کم ہو گئی ہے۔ اسی وجہ سے زمین پر دن بدن گناہ کرنے کی دلیری بڑھتی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ بدیہی بات ہے کہ جس چیز کی شناخت نہ ہو نہ اس کا قدر دل میں ہوتا ہے اور نہ اس کی محبت ہوتی ہے اور نہ اسکا خوف ہوتا ہے۔ تمام اقسام خوف اور محبت، اور قدردانی کے شناخت

کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ آجکل دُنیا میں گناہ کی کثرت بوجہ کمی معرفت ہے۔ اور سچے مذہب کی نشانیوں میں سے یہ ایک عظیم الشان نشانی ہے کہ خدا تعالیٰ کی معرفت اور اس کی پہچان کے وسائل بہت سے اس میں موجود ہوں تا انسان گناہ سے رُک سکے۔ اور تا وہ خدا تعالیٰ کے حُسن و جمال پر اطلاع پا کر کامل محبت اور عشق کا حصہ لیوے۔ اور تا وہ قطع تعلق کی حالت کو جہنم سے زیادہ سمجھے۔" (پیغام صلح صفحہ ۲۰)

(۲) "یہ امر زیادہ دلائل کا محتاج نہیں کہ قدردانی اور محبت اور خوف یہ سب امور معرفت یعنے پہچاننے سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اگر ایک بچہ کے ہاتھ میں مثلاً ایک ایسا ٹکڑہ ہیرے کا دیا جاوے جس کی کئی کروڑ روپیہ قیمت ہو سکتی ہے تو وہ صرف اس کی اُسی حد تک قدر کرے گا جیسا کہ ایک کھلونے کی قدر کرتا ہے۔ اور اگر ایک شخص کو اس کی لاعلمی کی حالت میں شہد میں زہر ملا کر دیا جاوے تو وہ اُسے شوق سے کھائے گا۔ اور یہ نہیں سمجھے گا کہ اس میں میری موت ہے۔ کیونکہ اُس کو ایسے شہد کی معرفت نہیں۔ لیکن تم دانستہ ایک سانپ کے سوراخ میں ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ ایسے کام سے مرنے کا اندیشہ ہے۔ ایسا ہی تم ایک ہلاہل زہر کو دیدہ دانستہ کھا نہیں سکتے۔ کیونکہ تمہیں یہ معرفت حاصل ہے کہ اس زہر کے کھانے سے مر جاؤ گے۔ پھر کیا سبب ہے کہ تم اس موت کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے جو خدا کے حکموں کو توڑنے سے تم پر وارد ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس جگہ تمہیں ایسی معرفت بھی حاصل نہیں جیسی کہ تمہیں سانپ اور زہر کی معرفت حاصل ہے۔" (ایضاً صفحہ ۲۱-۲۳)

(۳) "پس اے پیارو! یہ نہایت سچا اور آزمودہ فلسفہ ہے کہ انسان گناہ سے بچنے کے لئے معرفت تامہ کا محتاج ہے...... مگر ناقص معرفت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ اور نہ اس کا نتیجہ جو خوف اور محبت ہے کامل ہو سکتا ہے۔ ایمان جو کامل نہیں وہ بے سود ہے۔ اور محبت جو کامل نہیں وہ بے سود ہے۔ اور خوف جو کامل نہیں وہ بے سود ہے۔ اور معرفت جو کامل نہیں وہ بے سود ہے۔ اور ہر ایک غذا اور شربت جو کامل نہیں وہ بے سود ہے۔ کیا تم بھوک کی حالت میں صرف

ایک دانہ سے سیر ہو سکتے ہو۔ یا پیاس کی حالت میں صرف ایک قطرہ سے سیراب ہو سکتے ہو۔ پس اے سُست ہمتو اور طلب حق میں کاہلو تم تھوڑی معرفت سے اور تھوڑی محبت سے اور تھوڑے خوف سے کیونکر خدا کے بڑے فضل کے امیدوار ہو سکتے ہو...... پس جس کو معرفت کاملہ دی گئی اس کو خوف اور محبت بھی کامل دی گئی۔ اور جس کو خوف اور محبت کامل دی گئی اس کو ہر ایک گناہ سے جو بیباکی سے پیدا ہوتا ہے نجات دی گئی۔ پس ہم اس نجات کے لئے نہ کسی خون کے محتاج ہیں اور نہ کسی صلیب کے حاجتمند اور نہ کسی کفارہ کی ہم ضرورت ہے۔ بلکہ ہم صرف ایک قربانی کے محتاج ہیں جو اپنے نفس کی قربانی ہے جس کی ضرورت کو ہماری فطرت محسوس کر رہی ہے۔ ایسی قربانی کا دوسرے لفظوں میں نام اسلام ہے۔ اسلام کے معنی ہیں ذبح ہونے کے لئے گردن آگے رکھدینا۔ یعنی کامل رضا کے ساتھ اپنی روح کو خدا کے آستانہ پر رکھدینا۔ یہ پیارا نام تمام شریعت کی روح اور تمام احکام کی جان ہے۔" (پیغام صلح صلا)

پھر حضور فرماتے ہیں:-

"اسلام کی حقیقت کسی میں تب متحقق ہو سکتی ہے کہ جب اس کا وجود معہ اپنے تمام باطنی وظاہری قوٰی کے محض خدا تعالےٰ کے لئے اور اس کی راہ میں وقف ہو جائے۔ اور جو امانتیں اس کو خدا تعالےٰ کی طرف سے ملی ہیں پھر اُس معطی حقیقی کو دی جائیں۔ اور نہ صرف اعتقادی طور پر بلکہ عمل کے آئینہ میں بھی اپنے اسلام اور اس کی حقیقت کاملہ کی ساری شکل دکھلائی جاوے یعنی شخص مدعی اسلام یہ بات ثابت کر دیوے کہ اس کے ہاتھ اور پیر اور دل اور دماغ۔ اور اس کی عقل اور اس کا فہم اور اس کا غضب اور اس کا رحم اور اس کا علم اور اس کا حلم اور اس کی تمام روحانی اور جسمانی قوتیں اور اس کی عزت اور اس کا مال اور اس کا آرام اور سرور اور جو کچھ اس کا سر کے بالوں سے لے کر پیروں کے ناخنوں تک باعتبار ظاہر و باطن کے ہے یہاں تک کہ اس کی نیات اور اس کے دل کے خطرات اور اس کے نفس کے جذبات سب خدا تعالےٰ کے ایسے تابع ہو گئے ہیں کہ جیسے ایک شخص کے اعضاء اس کے تابع ہوتے ہیں۔ غرض یہ ثابت ہو جاوے کہ

صدق قدم اس درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ جو کچھ اس کا ہے وہ اس کا نہیں بلکہ خدا تعالےٰ کا ہو گیا ہے اور تمام اعضاء اور قویٰ الٰہی خدمت میں ایسے لگ گئے ہیں کہ گویا وہ جوارح الحق ہیں۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۹)

پھر حضورؑ فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالےٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنا جو حقیقت اسلام ہے۔ دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کہ خدا تعالےٰ کو ہی اپنا معبود اور مقصود اور محبوب ٹھہرایا جاوے اور اس کی عبادت اور محبت اور خوف اور رجا میں کوئی دوسرا شریک باقی نہ رہے۔ اور اس کی تقدیس اور تحمید اور تسبیح اور عبادت اور تمام عبودیت کے آداب اور احکام اور اوامر اور حدود اور آسمانی قضا و قدر کے امور بدل و جان قبول کئے جائیں۔ اور نہایت نیستی اور تذلّل سے ان سب حکموں اور حدوں اور قانونوں اور تقدیروں کو بارادتِ تام سر پر اٹھا لیا جاوے۔ اور نیز وہ تمام پاک صداقتیں اور پاک معارف جو اس کی وسیع قدرتوں کی معرفت کا ذریعہ اور اسکی ملکوت اور سلطنت کے علو مرتبہ کو معلوم کرنے کے لئے ایک واسطہ اور اس کے آلاء اور نعماء کے پہچاننے کے لئے ایک قوی رہبر ہیں بخوبی معلوم کر لی جائیں۔ دوسری قسم اللہ تعالےٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کی یہ ہے کہ اُسکے بندوں کی خدمت اور ہمدردی اور چارہ جوئی اور باربرداری اور سچی غمخواری میں اپنی زندگی وقف کر دی جائے۔ اور دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے دُکھ اٹھاویں۔ اور دوسروں کی راحت کے لئے اپنے پر رنج گوارا کر لیں۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۶۰)

پھر حضورؑ فرماتے ہیں:۔

"اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اسلام کی حقیقت نہایت ہی اعلیٰ ہے اور کوئی انسان کبھی اس شریف لقب اہل اسلام سے حقیقی طور پر ملقب نہیں ہو سکتا جبتک کہ وہ اپنا سارا وجود معہ اس کی تمام قوتوں اور خواہشوں اور ارادوں کے حوالہ بخدا نہ کر دے۔ اور اپنی انانیت سے معہ اس کے جمیع لوازم کے ہاتھ اٹھا کر اُسی کی راہ میں نہ لگ جاوے۔ پس حقیقی طور پر کسی کو مسلمان اُسی وقت کہا جائیگا

کہ جب اس کی غافلانہ زندگی پر ایک سخت انقلاب وارد ہو کر اس کے نفس امّارہ کا نقش ہستی معہ اس کے تمام جذبات کے یک دفعہ مٹ جائے۔ اور پھر اس موت کے بعد محسن ہونیکی نئی زندگی اس میں پیدا ہو جائے۔ اور وہ ایسی پاک زندگی ہو جو اس میں بجز طاعت خالق اور ہمدردی مخلوق کے اور کچھ بھی نہ ہو۔"

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۶۱)

قرآن کریم بھی انہیں پاکیزہ خیالات کی تائید فرماتا ہے۔ چنانچہ سورۂ جمعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار اغراض بیان کئے گئے ہیں۔ جو یہ ہیں۔ ھو الّذی بعث فی الامّیّٖن رسولًا منھم یتلوا علیھم اٰیٰتہٖ ویزکّیھم ویعلّمھم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مّبین ۝ یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے امیوں ہی انہیں میں سے ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا۔ جو اُن پر اس کی آیات پڑھتا ہے۔ اُن کا تزکیہ کرتا ہے۔ اُنہیں کتاب سکھاتا ہے اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تلاوت آیات کا مقصد اللہ تعالےٰ کی کامل معرفت پیدا کرنا ہی ہے۔ اور کامل معرفت کے بعد نافرمانی کی موت کا کامل خوف پیدا کر کے رذائل سے پاک کرنا اور پھر کامل محبت پیدا کرنے کے لئے الکتٰب کی تعلیم سے اس کے ظاہری اور الحکمۃ کی تعلیم سے اس کے باطنی حُسن پر مطلع کرتا ہے۔

امید ہے کہ برقی صاحب پر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا ہوگا کہ انبیاءؑ کی بعثت کی غرض محبت اور پیار سے لوگوں کو آستانۂ الٰہی پر جھکانا ہوتی ہے نہ کہ آتے ہی قتل و غارت اور خونریزی کا بازار گرم کرنا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مطہر اور مقدس زندگی میں ہمیں یہی جذبہ کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لئے حضورؐ کے صحابہؓ نے جو جو جان، مال، عزت و آبرو اور وطن کی قربانیاں کیں ان سے تاریخ کے صفحات رہتی دُنیا تک درخشندہ رہیں گے۔ اور اگر آپ اب بھی اپنے ہی خیال پر بضد ہیں تو ذرا اپنے نظریئے کی روشنی میں مندرجہ ذیل واقعات کی توجیہہ تو بیان کر کے دکھائیں :-

(۱) حضرت عثمانؓ کو باوجود مرفہ الحال آدمی ہونے کے آپؓ کے چچا نے آپؓ کو رسیوں سے باندھکر پیٹا۔ (۲) زبیر بن العوام کو باوجود جوانمرد ہونے کے ان کا ظالم چچا انہیں چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دُھواں دیا کرتا تھا۔ (۳) عبداللہ بن مسعود کو قریش نے عین صحن کعبہ میں مار مار کر ہلکان کر دیا۔ (۴) ابوذر غفاری کو مار مار کر زمین پر بچھا دیا۔ (۵) بلال بن رباح

نگاکر کے جلتی ہوئی ریت پر لٹایا جاتا اور چھاتی پر بڑے بڑے پتھر رکھ دیئے جاتے (۶) صہیب
سنان رومی کو قریش اس قدر پیٹتے کہ ان کے حواس مختل ہو جاتے - (۷) خباب بن الارت
اسی کی بھٹی کے دہکتے ہوئے کوئلے نکال کر اس پر لٹا دیا اور ایک شخص ان کی چھاتی پر چڑھ گیا
کروٹ نہ بدل سکیں - (۸) ایک دفعہ عمار اور ان کے والد یاسر اور ان کی والدہ سمیہ کو قریش
ذیب دے رہے تھے کہ اتفاقاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس طرف آ نکلے - حضورؐ نے
یا صبراً آل یاسر فان موعدکم الجنۃ - آخر یاسر تو اسی عذاب میں جاں بحق ہو گئے
بوڑھی سمیہ کی ران میں ظالم ابوجہل نے اس بے دردی سے نیزہ مارا کہ وہ ان کے جسم کو کاٹ
ان کی شرمگاہ تک جا نکلا - اور اس بے گناہ خاتون نے اسی جگہ تڑپتے ہوئے جان دیدی
خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے گلے میں ایک بدبخت نے عین نماز کی حالت میں کپڑا ڈال
اس زور سے کھینچا کہ حضورؐ کا دم گھٹنے لگا - حضرت ابوبکرؓ کو علم ہوا تو انہوں نے آکر حضورؐ کو
بدبخت کے شر سے بچایا -

اِن تکالیف کے باوجود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نہ صرف خود صبر فرماتے بلکہ صحابہؓ کو بھی
کی تعلیم دیتے تھے - لکھا ہے کہ ایک دفعہ خباب بن الارت اور بعض اور صحابہ نے آپکی خدمت
حاضر ہو کر عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! مسلمانوں کو قریش کے ہاتھ سے اتنی تکالیف پہنچ رہی
تو آپ ان کے لئے بددعا کیوں نہیں کرتے" حضورؐ یہ الفاظ سنکر اُٹھ بیٹھے اور حضورؐ کا
سُرخ ہو گیا اور حضورؐ نے فرمایا "دیکھو! تم سے پہلے وہ لوگ گذرے ہیں جن کا گوشت
ہے کے کانٹوں سے نوچ نوچ کر ہڈیوں تک صاف کر دیا گیا مگر وہ اپنے دین سے متزلزل
ں ہوئے - اور وہ لوگ گذرے ہیں جن کے سروں پر آرے چلا کر ان کو دو ٹکڑے کر دیا
مگر ان کے قدموں میں لغزش نہیں آئی - دیکھو خدا اس کام کو ضرور پورا کرے گا حتی کہ
کشتر سوار صنعا سے لے کر حضر موت تک سفر کرے گا اور اس کو سوائے خدا کے اور
ی کا ڈر نہ ہو گا - مگر تم تو جلدی کرتے ہو" (بخاری شریف بحوالہ سیرت خاتم النبیین حصہ اول[19])

ایک اور موقعہ پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف معہ چند دوسرے اصحاب کے آپؐ کی خدمت میں
ر ہوئے اور عرض کیا "یا رسول اللہ! ہم مشرک تھے تو ہم معزز تھے - اور کوئی ہماری
ف آنکھ تک نہیں اٹھا سکتا تھا - لیکن جب سے مسلمان ہوئے ہیں کمزور و ناتوان
گئے ہیں - اور ہم کو ذلیل ہو کر کفار کے مظالم سہنے پڑتے ہیں - پس یا رسول اللہ! آپ ہم کو

اجازت دیں کہ ہم اِن کفار کا مقابلہ کریں۔" آپ نے فرمایا "انی اُمرتُ بالعفو فلا تقاتلوا"۔

ان سب کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ قدسی صفات کے متعلق صرف ایک واقعہ عرض کر کے ہم ان سوالات کے جوابات کو ختم کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب فوت ہو گئے اور قریش کی عداوت کا بند ٹوٹ گیا تو حضورؐ ایک دفعہ تبلیغ پیغام حق کی غرض سے طائف تشریف لے گئے اور وہاں حضورؐ نے دس دن قیام کر کے بڑے بڑے رؤسا کو تبلیغ اسلام کرنا چاہی۔ مگر سب نے نہ صرف انکار کیا بلکہ ہنسی اُڑائی۔ آخر حضورؐ نے وہاں کے رئیس اعظم عبدیالیل کے پاس جا کر اُسے دعوتِ اسلام دی۔ مگر اس نے نہ صرف بات سُننے سے انکار کر دیا بلکہ اس خیال سے کہ شہر کے نوجوانوں پر حضورؐ کی باتوں کا اثر نہ ہو جائے اُس بدبخت نے شہر کے لُچّے غنڈے اور آوارہ طبع آدمی آپؐ کے پیچھے لگا دیئے۔ جو برابر تین میل تک حضورؐ پر پتھر برساتے اور گالیاں دیتے چلے آئے۔ طائف سے تین میل کے فاصلہ پر مکّہ کے رئیس عُتبہ بن ربیعہ کا ایک باغ تھا اس میں آکر حضورؐ نے پناہ لی اور ظالم لوگ تھک کر واپس لوٹ گئے۔ یہاں سایہ میں بیٹھ کر حضورؐ نے جو دُعا کی وہ برق صاحب اور ان کے ہمخیالوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے اور وہ دُعا یہ ہے۔ اللّٰھمّ الیك اشکو ضعف قوّتی وقلّۃ حیلتی وھوانی علی النّاس اللّٰھمّ یا ارحم الرّاحمین انت ربّ المستضعفین وانت ربّی الی من تکلنی الی بعید یتجھمنی ام الی عدو ملکتہ امری ان لم یکن بك علیّ غضب فلا ابالی ولکن عافیتك ھی اوسع لی اعوذ بنور وجھك الّذی اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ امر الدّنیا والاخرۃ من ان تنزل بی غضبك او یحلّ علیّ سخطك لك العتبی حتّٰی ترضی ولا حول ولا قوّۃ الّا بك۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۵۴ مطبوعہ مصر)

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

ذیل کا قصیدہ ... حضرت امیر المومنین المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو سنایا گیا

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ ۝

(از جناب مولوی صدرالدین صاحب مُنا واقفِ زندگی)

كلّ الثناء لربّنا الرّحمٰن ... مولى الصنيعة وافر الاحسان
يُسلى قلوب المومنين بنصره ... عند البلاء وشدّة العُدوان
فى سنّة منه استمرت لحزبه ... من بدء نوع الخلق للانسان
انظر الى ضيم الاناس وظلمهم ... بالمصطفى وبصحبه الاعيان
فالمصطفى عل كيد عدوه ... واذ لّهم بالهزء والحرمان
آيات نصر مثله لمسيحنا ... فلينظر الانسان بالاذعان
اعظم بفتن كالجبال وانّها ... سالت كسيل العرم والطوفان
وانظر لمحمود الخليفة نصره ... ياتى كمثل الغيث والتهتان
قوم من الاحباب صاروا كالعداء ... وتشعبوا بالحسد والاضغان
لم يتركوا ما فى الخزينة باقيا ... مستكملين الجهد للخذلان
ثمّ ادّعوا انّا سوادٌ لصدقنا ... من كثرة الاتباع والاعوان
فالله قلّل حزبهم فيعا فهم ... من كان اهل الحزم والايمان
قوم من الاحرار قاموا بالشّقا ... وراموا مرام الظلم والطغيان
خبّت رياح النّصر لمّا اعتدوا ... فرّوا اذا انهزموا من الميدان
قد صُيّروا نصب البلاء وذلّة ... ودريّة للهمّ والخسران
كم من كبار من نفاق كرُفقة ... مبدى الفساد ومظهر الشنآن
انظر الى شيخ الهنود وفخره ... اذ لاح من كمّ كمثل الجان
همّوا بتشتيت الجماعة فتنةً ... من بغيهم والفسق والبهتان
قد خيّبوا بالافتراق وكبكبوا ... وتشعثوا من كثرة الاشجان
فى هذه الايام قد لاح شانئٌ ... اكّال مال النّاس كالخوّان

مُنجِز الاجلال الباسرین لقسمتہ ۔۔۔ کی یلتطم حضور عون الرحمٰن

فی ملکنا ارض اخترت لطھورھم ۔۔۔ من کثرۃ الاشجان والاحزان

نصر المھیمن قد اتیح لصادق ۔۔۔ ھذا لہ البرھان فی القرآن

یا ربنا افتح بیتنا بکرامۃ ۔۔۔ یا حبنا یا مخفی الاوثان

لازالت النصرات تنزل برکۃ ۔۔۔ ابداً علی دار المسیح الثانی

بارک علی المحمود مع آل احمدا ۔۔۔ جُد یا کریم و منبع الفیضان

اصبغ علیھم رفعۃً کل نعمۃ ۔۔۔ اکرم بصحتھم وطول زمان

اعزاز ملتنا بطول بقاءھم ۔۔۔ فی عمرھم بارک الی الازمان

یا ربنا اصفح عن عبادک وافتحن ۔۔۔ باب الھدی والفضل والرضوان

معذرت

اکثر احباب کو علم ہوگا کہ "الفضل" میں اعلان کیا گیا تھا کہ ایڈیٹر صاحب کی علالت اور بعض مخصوص وجوہ کی بنا پر دسمبر اور جنوری کے پرچے وقت پر شائع نہیں ہو سکے۔ چنانچہ اسی وجہ سے زیر نظر پرچہ دسمبر، جنوری اور فروری تین ماہ کا اکٹھا شائع کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ پرچہ باقاعدہ شائع ہوگا۔ تمام احباب مطلع رہیں۔ اور جن احباب کے ذمہ کوئی بقایا ہو، وہ جلد از جلد ارسال فرمائیں تاکہ رسالہ وی، پی بھیجنے کی ضرورت پیدا نہ ہو۔ امید ہے کہ جملہ خریداران اس طرف فوری توجہ فرمائینگے۔ ——— مینیجر